یوحنا رسول کے پہلے خط

کی

تفسیر

یوحنّا رسُول کے

پہلے خطِ عام کی

تفسیر

مصنّفہ

پادری جلال الدین صاحب بی اے
سابق پروفیسر تھیولاجیکل کالج سہارنپور

۱۹۵۵ء

نقشِ اوّل ۵۰۰ قیمت ۸ آنے

فہرستِ مضامین

پہلی فصل:۔

یُوحنّا رسُول کا پہلا خطِ عام

یُوحنّا رسُول نے پہلا خط کن کو لکھا تھا؟

ہم کو اچھی طرح معلُوم ہے کہ یُوحنّا رسُول نے زندگی کے آخری دن اِفسس شہر میں گذارے۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے پہلے خط کو کہتے تو عام خط ہیں۔ مگر اصل میں اس نے یہ خط صرف چھوٹے بچّوں کو یعنی اِفسس کے اور اس شہر کے آس پاس کے نئے مسیحیوں کو لکھا تھا اور یہ خط بھی تو بوڑھے رسُول کی سب سے آخری تحریر اور تصنیف ہے۔ رسُول کی عُمر کے باقی رسُول اور ساتھی خداوند میں سو چکے تھے۔ اور رسُول ہمارے زمانہ کے ڈاکٹر اقبال کی طرح اس خط کے آخر میں یہ الفاظ درج کر سکتا تھا۔ ع

سر آمد روزگار ایں فقیرے ۔ دِگر دانائے راز آید نہ آید

انگریزی زبان کے مشہور شاعر براؤننگ Browning نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے کہ اب کوئی زندہ باقی نہیں جس نے

اپنی آنکھوں سے خُداوند کو دیکھا ہو۔ اور ہاتھوں سے چھُوا ہو۔ یعنی اس خُداوند کو جو ازل سے زندگی کا کلام ہے۔ صرف مَیں باقی ہُوں۔ لیکن جب کوئی زندہ خُدا کا یہ زندہ تجربہ بیان کرنے والا نہ رہے گا تو کیا ہو گا۔

اِس نظم کا نام ہے "صحرا میں موت" **Death in the Desert** چونکہ یہ خط ایک رسول کی آخری نصیحت یا وصیّت ہے تاریخ کے لحاظ سے اس کو بائبل کی آخری کتاب کہتے تھے اور بائبل کے آخر میں جگہ دیتے تھے۔ جن کلیساؤں کو یہ خط لکھ کر بھیجا گیا تھا۔ اِن میں نئی نئی بدعتی تعلیمیں گھر بنا رہی تھیں۔ رُسول کی محبّت اور غیرت بھڑک اُٹھی۔ اس نے سوچا کہ جب تک دم میں دم ہے لاؤ جماعت کو روحانی خطرہ سے بچا لُوں۔ رُسول کے چھوٹے بچے کمزور تھے۔ نادان تھے۔ اصل اور نقل میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ پس بُوڑھے رُسول نے اِن کی ایمانداری اور ساتھ اِن کی کمزوری کو مدِ نظر رکھ کر نہایت محبّت۔ ہمدردی اور نرمی سے بات سمجھا دی اور یُوں گمراہ ہونے سے بچا لیا۔

رُسول نے یہ خط ۸۵ئہ اور ۹۵ئہ کے درمیان کسی وقت اِفسس شہر میں بیٹھ کر لکھا تھا۔ اِس خط کے مضمون کی اِس طرح تقسیم ہو سکتی ہے۔

(۱) تمہید ۱:۱-۴ (۲) خُدا نُور ہے ۱:۵-۲:۲۸ (۳) خُدا محبّت ہے ۲:۲۹-۴:۲۱

۴ - ایمان - ۵: ۱-۲۱

---

۲ - ناستک اِزم GNOSTICISM

یُوحنّا رسُول کے دِنوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جو یہ تعلیم دیتے تھے۔ کہ ہم اندھیرے میں چلتے ہُوئے بھی یعنی ٹیڑھی اور اُلٹی راہ چلتے ہوئے بھی خُدا کے ساتھ رفاقت اور شراکت رکھ سکتے ہیں۔ (۱: ۶) یہ لوگ کہتے تھے کہ گناہ اور بدی صرف وہم ہے۔ کوئی اِنسان بد اور گنہگار نہیں۔ (۱: ۸-۱۰ و ۳: ۴-۱۲)
خُدا کا عِلم صرف دماغی اور ذہنی چیز ہے۔ خُدا کی معرفت کو خُدا اور اِنسان کے ساتھ پیار کرنے سے کوئی واسطہ نہیں۔ نیز یہ عِلم صرف اِن چند مخصوص لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اہلِ علقہ ہوتے ہیں۔ اور خُدا کے حکم عمل کے لئے نہیں ہوتے (۲: ۴-۶ و ۴: ۷-۸) مسیح محض اِنسان تھا۔ ابنِ خُدا نہ تھا۔ یسُوع اور مسیح ایک ہی ہستی نہ تھی۔ مسیح روح تھی جو بپتسمہ کے وقت یسُوع میں داخل ہُوئی اور اُس کے ... پہ چڑھنے سے پہلے ہی اِس کو چھوڑ گئی۔ (۲: ۲۲-۲۳ و ۴: ۲-۳ و ۱۴-۱۵ و ۵: ۱ و ۶) یسُوع نے ہم کو گناہ سے نہیں

چھڑایا۔نہ ہمیشہ کی زندگی دی ہے۔ (۱: ۷و۱۲: ۲و۳: ۵و۴: ۹۔ ۱۰و۱۴و۵: ۱۰۔۱۲)

لوگوں نے ایسے اُستادوں کو بعد میں گنوسٹک Gnostics یعنی اہلِ علم کہنا شروع کیا اسلئے کہ یہ لوگ بڑے ہانکا کرتے تھے کہ ہم خُدا کو جانتے ہیں اور ہم کو اس کا عرفان حاصل ہے۔ ناسٹک کہا کرتے تھے کہ ہم نُور میں ہیں۔ (۲: ۹) ہماری شراکت خُدا کے ساتھ ہے (۱: ۶) اور ہم گناہ سے آزاد ہیں (۱: ۸و۱۰) مگر رسُول کے دِلوں میں اِن کو بدعتی کہہ کر پکارا گیا۔ دوسری صدی میں یہ لوگ کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کی تعلیم اور خیالات بڑھ کر اُلجھ گئے۔ اغلب ہے کہ ایشیاء کوچک کے اِن خیالات اور اِس قسم کی تعلیم کا مآخذ اور منبع ہندوستان تھا۔ اور یہ پہلا موقع تھا جب مسیحیت کو ہندوستان سے واسطہ پڑا جن لوگوں کو یہ خط لکھا گیا ان کو ہندوستان مصر۔ یُونان۔ فارس (ایران) اور یہُودیہ کے خیالات سُننے کے بُہت موقعے ملتے تھے۔ اِن ملکوں میں اور خاص کر یُونان اور ہندوستان میں لوگ قدیم سے کوشش میں تھے کہ کائنات کا مصدر اور منبع دریافت کریں۔ ہندوستان میں اِس منبع کو برہم اور یُونان میں تو۔آن (To ον) کہتے تھے۔ اور اِس کو ہستی مُطلق۔ نرگن اور وجود ازلی

تسلیم کرتے تھے۔ مگر اِس کی شخصیت کے قائل نہ تھے۔ وُہ اِن قدیم سوالوں پر بھی بحث کرتے تھے کہ بدی کہاں اور کس طرح پیدا ہُوئی۔ اور اس مادّی دُنیا کا ازلی وجود یا سبب اوّل سے کیا تعلق ہے۔ اس بحث سے دو خیالات پیدا ہُوئے۔ ایرانی ثنویت کے قائل ہو گئے اور ہرمزد (نیکی کا خُدا اور منبع) اور آہرمن (بدی کا خُدا۔ منبع) کو ازلی اور ایک دُوسرے کا مدِ مقابل تسلیم کرنے لگے۔ اِس کے برخلاف ہندوستان میں ادوّیت کا عقیدہ نمودار ہو گیا جس میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ برہم ایک ہے اور اِس کے علاوہ سب کچھ نیست ہے۔ یعنی جو کچھ ہے سب برہم ہی برہم ہے۔ (ایکو برہم دوتیو ناستی) بدی مادّے میں موجود ہے۔ مذہب کی غائیت یہ ہے کہ انسان یہ پہچان (گیان) حاصل کرے کہ میں برہم سے الگ اور دُور نہیں ہُوں۔

ایک یہودی فیلسوف بنام فیلو نے اِن خیالات کو پُرانے عہد نامہ کے علم الٰہی سے ملانے کی کوشش کی اور کہا کہ جسے یہ لوگ برہم اور عقل اوّل کے نام سے پُکارتے ہیں وُہ اصل میں ہالوگاس O'Logos یعنی الکلام یا زندہ کلام خدا ہے جو کائنات کا مصدر اور منبع اور زندگی کا سرچشمہ ہے۔ مگر وُہ مشخص ہستیٔ مُطلق ہے۔ اور اس میں کامل صفات

بھی ہیں یعنی وُہ پاک ہے۔ نورؔ ہے اور محبّت ہے۔

یہودی مذہب کے ساتؔ فرقوں میں سے ایک فرقہ تھا جس کو اسینی فرقہ کہتے تھے اس فرقہ کے لوگ بھی مادے میں بدی کی موجودگی کے قائل تھے۔

ایسے خیالات کے غیر مسیحی لوگوں نے جب اپنے خیالات اور عقیدوں کو مسیحی خیالات سے ملانے کی کوشش کی تو بڑی مشکل پیش آئی۔ اور جب کوئی اور حیلہ کامیاب نہ ہُوا تو مسیحی عقائد کو مروڑنا شروع کیا۔ تاکہ کسی طرح ان کو اپنے عقیدوں کی شکل میں ڈھال سکیں۔ اس ناپاک کوشش سے جو اُلٹے ٹیڑھے خیالات پیدا ہوئے کلیسیا نے ان کو بدعت کا نام دیا۔ ایک فرقہ جسے ڈوسٹکٹ[۴] ازم کہتے ہیں یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ یسُوع کا مادّی بدن نہ تھا۔ صرف آنکھ کو ایسا سُوجھتا تھا۔

ناستک یعنی اہلِ معرفت لوگ انسان کی آزاد مرضی اور فعل مختاری کے قائل نہ تھے۔ اس عقیدہ سے انسان بدی کی ذمّہ داری سے چھُوٹ جاتا ہے (کرے کراوے آپے آپ نہیں کچھ مانس دے ہاتھ) وُہ کہتے تھے کہ بدی طبعی طور پر انسان میں بسی ہوئی ہے۔ اور مسیح کی تعلیم مذہب کے ارتقا

---

[۱] I مذہبی۔۱۔ فریسی ۲ صدوقی ۳۔ اسینی II سیاسی ۱۔ ہیرودوی ۲۔ زیلوتی ۳۔ گلیلی ۴۔ اسا سینی۔

[۲] Doceticism

میں ایک کڑی ہے۔ جس کو کمال یعنی ناستک تعلیم اور عقیدہ کی ضرورت ہے۔ ناستک عقیدہ کی رُو سے تجسّم ناممکن ہے۔ کیونکہ پاک خُدا اس مادّے میں نہیں آ سکتا جس میں بدی بسی ہُوئی ہے۔ کلسّیوں کے خط میں جعلی اُستادوں اور جھوٹی تعلیم کے خلاف آگاہ کیا گیا ہے۔ جب ہم مطالعہ کرتے کرتے یُوحنّا کے پہلے عام خط تک پہنچتے ہیں تو معلُوم ہوتا ہے کہ باطل تعلیم اور بدعتی خیالات خطرناک صُورت اختیار کر چُکے ہیں۔

یُوحنّا رسُول کے دِنوں میں ایک شخص بنام سرنتھس Cerinthus جھوٹی تعلیم اور بدعتی خیالات کا ماہر اُستاد تھا۔ اور ۹۵ء میں اِفسس شہر میں سبق دیا کرتا تھا۔ اِس کی بابت آئری نی اَس Irenaeus نے لکھا ہے کہ سرنتھس جو رُومی حکُومت کے اس صُوبہ میں رہتا تھا جس کا نام آسیہ تھا تعلیم دیتا تھا کہ دُنیا خُدا ئے بُزرگ و برتر نے نہیں بنائی۔ بلکہ ایک ادنیٰ شکتی نے بنائی ہے جو دُنیا کے مالک اور حاکم خُدا سے واقف کبھی نہیں۔ اور یہ عقیدہ سکھاتا تھا کہ یسُوع کنواری سے نہیں پیدا ہُوا۔ یہ ناممکن ہے۔ محال عادی ہے۔ بلکہ یُوسف اور مریم کی اولاد تھا۔ مگر ہاں یسُوع انصاف۔ عقل اور تدبیر میں انسانوں سے افضل تھا۔ بپتسمہ کے وقت پانی کے ذریعہ سے مسیح کبوتر کی شکل میں یسُوع پر نازل ہُوا تب یسُوع نے باپ کی جزوی جسے نہ

کسی نے دیکھا ہے اور نہ کوئی اسے جانتا ہے۔ آخر کار مسیح اس سے الگ ہو گیا (ایوحنا ۴) اور یسوع مصلوب ہوا۔ جان دی۔ دفن ہوا۔ اور مُردوں میں سے زندہ ہو گیا۔ بولتے وقت آواز یسوع کی ہوا کرتی تھی اور لفظ مسیح کے۔

روایت ہے کہ سرنتھس تو یوحنا رسول کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن یوحنا رسول افسس شہر کے ایک حمام میں داخل ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سرنتھس اسی حمام میں موجود ہے۔ رسول فوراً چلا اُٹھا کہ لوگو نکلو۔ بھاگو۔ بھاگو۔ کہیں حمام کی چھت نہ ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ سچائی کا دشمن سرنتھس حمام میں موجود ہے۔

کلیسیا ایک نئی اور مخصوص جماعت ہے۔ مگر ناستک تعلیم سماجی تعلقات کا گلا گھونٹ رہی تھی۔ (۳: ۱۰ و ۱۵ و ۴: ۸ و ۲۰) ان نام نہاد اہلِ عرفان کا عقیدہ تھا کہ خدا انسانوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا اب خدا اور انسان کا تعلق ہی تمام انسانی اور سماجی تعلقات کی بنیاد ہے۔ نیز ناستک لوگ بیاہ شادی سے منع کرتے تھے۔ تیاگ کی تعلیم دیتے تھے۔ شادی شدہ لوگوں سے میل جول منع کرتے تھے۔ فاقہ کشی اور ریاضت پر زور دیتے تھے (کلسیوں ۲: ۱۶ و ۲۱ و ۲۳) برعکس اس کے مسیح کی تعلیم اور کلیسیا کا دستور یہ ہے کہ

انسان دل سے توبہ کرے بدن کو صاف تندرست اور توانا رکھے۔ محنت مشقت کرے۔ حق حلال کی کمائی سے اپنی اور محتاجوں کی پرورش کرے اور یُوں سماجی تعلقات پاک رکھے۔ خداوند نے اپنی کہانتی دُعا میں کہا تھا۔ کہ مَیں یہ درخواست نہیں کرتا کہ تُو اِن کو دُنیا سے اُٹھا لے۔ بلکہ یہ کہ اُس شریر سے ان کی حفاظت کر (یُوحنّا ۱۷ : ۱۵) اور پولوس رسول نے کہا ہے کہ اِن باتوں میں اپنی ایجاد کی ہُوئی عبادت اور خاکساری اور جسمانی ریاضت کے اعتبار سے حکمت کی صورت تو ہے مگر جسمانی خواہشوں کے روکنے میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا (کلسیوں ۲ : ۲۳) جس طرح ویدانت کی ادویت تعلیم یعنی اہم برہم کو نہ سمجھنے سے بام مارگی گروہ پیدا ہو گیا۔ اِسی طرح ناستک کی تعلیم سے کہ مادّی بدن میں بدی بسی ہُوئی ہے۔ اِن لوگوں میں یہ مکروہ عقیدہ اور عمل پیدا ہُوا کہ اِس بد اور مکروہ بدن کو بدی میں اُلجھائے رکھو تاکہ اس کو دیکھ کر روح کو صحیح گیان حاصل ہو۔ چنانچہ یہ لوگ نجس سے نجس ہوتے گئے (۲ تم ۳ : ۱ - ۷ و ۲ پطرس ۲ : ۱۰ - ۲۲، یہودہ ۵ : ۴ - ۸ و ۱۰ - ۱۹ و مکاشفہ ۲ : ۱۴ و ۲۰ و ۲۴)

اہلِ معرفت Gnostics کی تعلیم میں یُونانی فلسفہ اور مشرقی مذاہب کے خیالات کی کھچڑی تھی۔ ایسی تعلیم کے ہوتے ہوئے جس میں عقلی دلکشی اور ذہنی کشش تھی۔ کلیسیا کی بالکل وہی

حالت تھی جو آج ہندو دھرم کی فضا میں مسیحی جماعت کی ہے۔

۱۔ یوحنا رسول اپنے وقت کی زبان میں اپنے وقت کے منطق اور فلسفہ کی مدد سے یسوع مسیح کا صحیح صحیح بیان کرتا ہے۔ اس بیان میں زبان اور فلسفہ کے علاوہ اس کو پاک روح کی ہدایت حاصل تھی۔ اس طرح رسول اپنے تجربہ سے خداوند یسوع مسیح کا بیان اپنے وقت کے فلسفہ اور محاورہ میں کرتا ہے۔ یسوع مسیح کا جو علم رسول کو حاصل تھا جس میں وہ خط پڑھنے والوں کو شریک کرتا ہے۔ اس کو ذاتی تجربہ سے حاصل ہوا تھا۔

ڈوسٹک اِزم Doceticism کا عقیدہ رکھنے والے کہتے تھے کہ مسیح حقیقی نہ تھا۔ محض دکھاوا تھا۔ نظر کا فریب تھا۔ ڈوسٹک کے معنی ہی دکھاوا ہے رسول بڑی قابلیت کے ساتھ اس غلط عقیدہ کی تردید کرتا ہے۔ اور اس طرح صحیح خیال پیش کرتا ہے۔

۲۔ یسُوع مسیح خدا کا کلام ہے۔ کلام متکلم کی لازمی صفت اور اس کی شخصیت کا حصّہ ہوتا ہے۔ خُدا میں شخصیت ہے۔ خُدا کی شخصیت مُطلق ہے۔ اس کو حصّوں اور ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ شخصیت والے خُدا کا کلام بھی شخصیّت والا کلام ہوگا۔ وُہ انسان کے کلام کی طرح محض آواز اور مفہوم کے مجمُوعہ کا نام نہیں۔ بلکہ اس میں تاثیر ہے۔ کیونکہ قادر مطلق ہے۔ چنانچہ جب اس نے کلام کے وسیلہ سے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ اور کہا ہو تو فوراً ہو گیا۔

خُدا کامل ہے۔ خُدا بے حد ہے۔ وُہ سب جگہ موجُود ہے اس کے باہر اور پرے ہونا ناممکن ہے۔ مگر خدا ظہُور کی صفت رکھتا ہے۔ اور مائل بظہور ہے۔ جب خُدا ظاہر ہوگا تو اپنی شخصیّت اور کیفیت سے کسی صُورت میں بھی مختلف اور متفرق نہ ہوگا۔ ضرُور ہے کہ کامل ہستی کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔ وُہ اپنی غیر دیدنی یعنی باطنی اور دیدنی (مظہر) یعنی

ظاہری کیفیت میں کامل طور پر یکساں ہو۔ پس باطنی طور پر اِس میں شخصیت ہے اور ظاہری طور پر بھی اِس میں شخصیت ہے۔ وہ باطنی طور پر حقیقت ہے۔ اور ظاہری طور پر بھی حقیقت ہے۔ چنانچہ رسول بتاتا ہے کہ ہم نے اِس ظہور یعنی مجسّم خُدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جس طرح ہم تمام حقیقی مادّی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ وہ کلام جب انسانی بدن اور شکل و صورت میں نمودار ہُوا تو ہم نے اس کی آواز اپنے کانوں سے سُنی جن سے دُنیا کی آوازوں کو روز سُنتے ہیں۔ ہم نے اس کو غور سے دیکھا۔ یعنی آنکھوں کی بینائی سے اس کی تحقیقات کی اور اُسے ٹھوس پایا پھر ہم نے اُس کو اپنے ہاتھوں سے چھُوا۔ اور ہمارے چھونے کے تجربہ نے بھی ثابت کر دیا اور ہم قائل ہو گئے کہ جو کچھ ہم نے سُنا۔ دیکھا اور چھُوا تھا۔ وُہ وہم نہ تھا۔ ہمارے یا کسی کے دماغ کا خلل نہ تھا۔ نظر کا فریب نہ تھا چھلاوُہ نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ حقیقت مُطلق تھی جس طرح بدیہات یعنی پرتکش پرمان Self evident Truth کا انکار ناممکن بلکہ محال مطلق ہے۔ اِسی طرح اس کا انکار ناممکن بلکہ کُفر ہے۔ رذالہ جُرائت ہے۔ سُورج کو دامن میں چھپانے کی کوشش ہے۔

۳۔ جو کچھ ظہور پذیر ہُوا۔ اِس کی تواریخ اس کے ظہور کی

گھڑی سے نہیں شروع ہوتی۔ اس کے ظہور کی گھڑی اس کے وجود اور زندگی کا شروع نہ تھی۔ وہ دنیا کی پیدائش اور تکوین سے پہلے تھا۔ وہ ابد سے تھا۔ اسی لئے وہ مخلوقات کی پیدائش کا ذریعہ اور سبب بنا۔ ہر بنانے والا بنی ہوئی شئے سے پہلے ہی ہوتا ہے اور افضل اور برتر ہوتا ہے۔ قدرت اور اختیار والا ہوتا ہے۔ حکمت اور تدبیر والا ہوتا ہے اس کی بنائی ہوئی چیز وجود میں آنے اور شکل اختیار کرنے سے پہلے اس کے ذہن میں یعنی اس کی حکمت اور تدبیر میں ہوتی ہے۔ اگر بنانے والے کی حکمت اور تدبیر میں نہ ہو تو وہ چیز ایک قسم کا حادثہ ہوگی۔ حادثہ روز روز نہیں ہوتا کسی قانون کے ماتحت اور مطابق نہیں ہوتا بلکہ خلاف قانون ہوتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اگر کوئی چیز حادثہ سے بنے گی تو قائم نہ رہے گی۔ قابل اعتبار نہ ہوگی۔ اچانک حادثہ سے تہس نہس ہو جائے گی۔ پل چھن میں برباد ہو جائے گی۔ پس یہ کائنات بننے اور خلق ہونے سے پہلے خالق کی حکمت میں موجود تھی۔ جس طرح مکان وجود میں آنے سے پہلے انجنیر کے ذہن اور حکمت میں موجود ہوتا ہے۔ پھر کاغذ پر نقشہ کی صورت اختیار کرتا ہے اور بعد میں مادی اور دیدنی صورت میں آتا ہے۔

۴ - یسوع مسیح وہ کلام یا لوگاس ہے جس سے خدا کا باطن ظاہر ہوا۔ بمصداق۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اگر خدا اپنے کلام یا لوگاس کے ذریعہ سے یعنی خود اپنی قدرت سے کسی بیرونی امداد اور سہارے کے بغیر بدنی مادی صورت اختیار نہ کرتا تو ہم خدا کو نہ دیکھتے اور نہ جانتے۔ نہ ہم کو اس کا قرب اور اس کی شراکت نصیب ہوتی۔ ہم دور اور مجبور ہی رہتے۔ خدا زندگی کا سرچشمہ بلکہ حقیقی زندگی ہے۔ اصل حیات ہے۔ خدا اور زندگی مترادف ہیں۔ خدا کا کلام زندگی کا کلام ہے۔ زندہ کلام ہے۔ یعنی کلام نہ فقط زندہ ہے بلکہ زندگی ہے۔ تمام مخلوق زندگیاں اسی زندگی سے وجود میں آتی ہیں۔ ہماری زندگی کا مدار اس حقیقی زندگی پر ہے اور جس طرح چراغ کا نور سورج کے نور کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہر مخلوق زندگی خالق زندگی کی دلیل ہے۔ ابدی زندگی صرف زمانے سے نہیں ناپی جاتی۔ اس سے مراد ہے کامل زندگی۔ بے عیب زندگی۔ مسیح کے طرز کی زندگی۔

ہم زندگی کی تعریف نہیں کر سکتے۔ مشاہدہ اور تجربہ کر سکتے ہیں۔ ابدی زندگی کی تعریف انجیل یوحنا ۱۷/۳ میں ہے۔

چنانچہ ہم نے اس کا تجربہ کیا۔یعنی ہماری آنکھوں نے زندگی کے مادّی ظہور کو دیکھا۔کانوں نے اس کی آواز سُنی اور ہاتھوں نے چھُوا۔اس تجربہ سے خُدا کا علم ہمارا ذاتی علم ہو گیا۔ناستک ازم والوں کی طرح محض سُنا سُنایا نہیں۔ہمارا علم ہماری شخصیّت کا حِصّہ بن گیا ہے ہمنکش پرمان بن گیا ہے۔یہ خُدا کا خاص فیض ہے جو ہم سے چھینا نہیں جا سکتا۔ اِس ایشوری گیان سے ہم خُدا کے عزیز و قریب بن گئے ہیں۔ یعنی خُدا سے ہماری شراکت ہو گئی ہے۔یہ ذاتی تجربی عِلم خُدا میں اور ہم میں مابہٗ الاشتراک بن گیا ہے۔خُدا کا گیان ہمارے اور خُدا کے درمیان ایک نسبت بن گیا ہے۔یہ شراکت خُدا کے لئے نئی نہیں۔خُدا متمدن ہے۔اس کی الٰہی ذات میں باپ بیٹے اور پاک رُوح کی شراکت اور قربت ہے جو بے مثل ہے۔شراکت اور تعلقات اس کی ذات میں ازل سے موجود ہیں۔خُدا محبّت ہے۔اس کی محبت ازل سے ہے۔محبت بغیر محبوب کے کیا ہو گی۔مگر خُدا کا محبُوب و مقبول بیٹا ازل سے اس کی محبت کا مقصود موجود ہے۔

۵۔یہ نکتہ بہُت باریک۔نازک اور لطیف ہے۔مگر بہُت ہی جاندار ہے۔ اسکے سمجھنے کیلئے گہری سوچ درکار ہے اور خُدا کا فضل لازمی ہے۔ہم میں خُدا کو جاننے کی اہلیت نہیں۔خُدا اپنے خاص فضل سے ہم کو اپنا علم

بخشنے تو ہم اس کو جان اور پہچان سکتے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا ہے کہ ہمکو اپنا علم اور معرفت بخشنے کے لئے وہ مادی بدن میں ظاہر ہوا تاکہ ہمارے حواسِ خمسہ کو تسکین ہو۔ علم حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس حواسِ خمسہ کا ذریعہ ہی ہے۔ خدا نے ہماری بشری کمزوری اور مجبوری کی رعایت کی ہے۔ اور اُن چیزوں کی طرح شکل و صورت۔ جسم۔ وزن اور رنگ اختیار کیا جو ہمارے علم کا موضوع ہیں۔ اس طرح ہمارے واسطے ذہنی اور عقلی آسانی پیدا کر دی کہ ہم اس کا ذاتی تجربی علم حاصل کر سکیں ورنہ اُس کا مکمل علم ناممکن تھا۔

اِس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ خدا کا کامل علم اور مکمل معرفت صرف عقلی اور ذہنی علم ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس طریقہ سے ہماری عقل ہمارے ایمان کی تصدیق اور تائید کرتی ہے جہاں تک عقل کی رسائی ہے وہاں تک عقل مکاشفے اور ایمان کی تصدیق اور توثیق کرتی ہے۔ اپنی حد پر پہنچ کر عقل کھڑی ہو جاتی ہے اور شہادت کی انگلی اُٹھا کر ایمان کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جس طرح بپتسمہ دینے والے یوحنا نے یسوع کی طرف اشارہ کیا اور کہا "ضرور ہے کہ وہ بڑھے اور میں گھٹوں"۔ یعنی اُس کی فضیلت ظاہر ہو اور میری عاجزی نمایاں ہو۔ وہ

بے حد ظاہر ہو اور میری حد بندی ثابت ہو جائے خُدا کی زندگی نُور اور محبّت کے ظہور سے یعنی وُہ جو تواریخ سے بلند اور بعید ہے تواریخ میں آنے سے انسانی تواریخ میں معنے پیدا ہو گئے ہیں۔ تواریخ ایک علم بن گئی ہے۔ حکومت اور بادشاہی کا تصوّر بدل گیا ہے۔ خُدا اور انسان کے تصوّر میں لطیف انقلاب آگیا ہے۔ باہمی تعلقات میں ایثار نمودار ہو گیا ہے۔ اور تواریخ آسمانی یروشلیم کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کشت وخون دشمنی اور انتقام۔ چھوت چھات اور ذات پات اس کے ظہور کے اثر اور طفیل سے اپنا شکنجہ ڈھیلا کر رہی ہیں۔ قومیں ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں۔ اور دوستی کا ہاتھ بڑھا رہی ہیں۔ اس وقت دُنیا کی ہر اچھی اور پاکیزہ تحریک اسی ظہور کی مرضی اور مزاج کو ظاہر کر رہی ہے۔

۱۔ یسوع خُدا کا کلام اور زندگی خُدائے خالق اور مخلوق انسان کے درمیان نسبت ہے۔ دو وجودوں میں نسبت اُسی وقت ممکن ہوتی ہے جب دونوں میں نسبت کے خواص موجود ہوں۔ مثلاً ناک اور پھول کے درمیان خوشبو ایک نسبت ہے کیونکہ ناک میں سونگھنے کی اور

پھول میں سونگھے جانے کی خصوصیّت ہے۔ اسی طرح خدا میں تمدّن ہے یعنی تعلقات رکھنے کی قدرت ہے۔ اور انسان میں تعلقات قبول کرنے کی صلاحیّت ہے۔ اور دونوں کے درمیان خداوند یسوع مسیح جو کلام ہے۔ زندگی ہے محبّت ہے۔ اور نور ہے ایک نسبت ہے۔

خدا پاک ہے۔ انسان ناپاک ہے۔ خدا بے حد ہے۔ انسان محدود ہے۔ خدا خالق ہے۔ انسان مخلوق ہے۔ خدا ازلی اور امر ہے۔ انسان فانی ہے۔ خدا نادیدنی ہے۔ انسان ٹھوس اور دیدنی ہے۔ اِن میں بغیر کسی نسبت کے تعلق ناممکن ہے۔ وہ نسبت یسوع مسیح ہے۔ جس میں دونوں قسم کی خصوصیّات ہیں۔ یہ خصوصیّات تجسّم میں ظاہر ہوئی ہیں۔ وہ دیدنی بھی ہے اور نادیدنی بھی ہے۔ اس نے کہا۔ کہ تھوڑی دیر تم مجھے دیکھو گے اور تھوڑی دیر کے بعد تم مجھے نہ دیکھو گے۔ وہ خالق ہے۔ کیونکہ ساری چیزیں اس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور اِس نے مخلوق بدن پہنا۔ تجسّم میں وہ محدود نظر آتا ہے۔ ایک وقت صرف ایک جگہ ہوتا تھا۔ مگر مُردوں میں سے جی اُٹھ کر وہ پہلے کی طرح بے حد ہو گیا اور کہا۔ کہ میں زمانے کے آخر تک ہر روز تمہارے ساتھ ہوں

یعنی زماں اور مکاں کے اعتبار سے بے حد ہو گیا۔ اس بے عیب نے مادی بدن اختیار کیا جو گناہ کے بدن کی شکل پر تھا۔ وُہ رازق ہے۔ مگر تجسّم کے زمانہ میں وُہ کھاتا پیتا رہا وُہ قادر ہے۔ مگر تجسّم میں تھکا ماندہ ہو کر بیٹھ جاتا تھا۔ خُدا سے ملاپ اور دُوری کا مسئلہ صرف مسیح میں سمجھ پڑتا ہے اور یوحنّا وہی مسئلہ سمجھا رہا ہے۔ اس میں ہو کر اور اس کے سبب ایمان کی شرط پر ہر ایماندار کی رفاقت اور شراکت خدا کے ساتھ ہے۔ یعنی فانی اور مجبُور انسان مسیح کے وسیلہ سے خُدا کی زندگی محبّت اور نور میں شریک ہوتا ہے (اُیوحنّا ۵: ۱۱-۱۲و۲۰۔ وکلسیوں ۳: ۴و۔ رومیوں ۵: ۱۰و۶: ۲۳ و۲ کرنتھی ۴: ۱۰ و۲ تم ۱: ۱)

کامل خُوشی کامل شراکت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اِس شراکت کی بنا پر ایمان داروں کی آپس میں شراکت ہے۔ یہ نکتہ مسیح نے درخت اور شاخوں کی مثال سے سمجھایا ہے۔ تمام شاخیں اوّل درخت میں قائم ہیں اور اس قیام کی بنا پر ایک دُوسری میں قائم ہیں۔ رسول کہتا ہے کہ خُدا کا گیان اور انسان کی اس کے ساتھ شراکت اُصول نہیں عمل ہے۔ ایک انوبھو ہے۔ تجربہ ہے۔ اس روحانی تجربہ کے بعد ہر ایماندار کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس

تجربہ کا ہمجنسوں کے سامنے اشتہار دے اور اس تجربہ کی دعوت دے اس میں اُن کی خوشی پنہاں ہوتی ہے۔ اس طرح اس تجربہ والوں کا حلقہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ ایسے تجربہ کاروں کی جمعیت کو کلیسیا کہتے ہیں۔

دُوسری فصل

خُدا نُور ہے

۱:۵ سے ۲:۲۸

اہلِ معرفت Gnostics بڑی ڈینگ ہانکا کرتے تھے۔ کہ ہم خُدا کو جانتے ہیں۔ ہم اس میں قائم ہیں۔ ہم نُور میں قائم ہیں۔ ہم نُور میں ہیں۔ اور اصل اہلِ معرفت وہ ہے جو اپنے بھائی سے محبّت رکھتا ہے۔

یُوحنا رسول اہلِ معرفت کو جواب دیتا ہے کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم کو خُدا کا علم براہِ راست حاصل ہُوا ہے گویا تم عالم ہو اور خُدا معلوم ہے۔ اسے کہتے ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ محدود العقل و ناقص العقل انسان کا یہ دعویٰ کُفر ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ ایسا انسان خُدا کا

علم بالکل نہیں رکھتا۔ خدا کا علم خدا کا فیض ہے۔ اس کی عطا ہے۔ ورنہ خطا ہے۔

اپنی نسبت رسول کہتا ہے کہ ہم نے یہ علم مسیح کی معرفت پایا ہے۔ جسے تم غیر حقیقی بتاتے ہو۔ وہ حق ہے۔ حقیقت ہے اور حقیقت مطلق کا علم صرف اسی کی معرفت ممکن ہے۔ ہم نے ذاتی تجربہ سے خدا کی معرفت پائی ہے ہم کو یہ تجربہ مسیح کے ساتھ رہنے سے حاصل ہوا۔ اور اس کا کوئی طریقہ یا ذریعہ ہے ہی نہیں۔ جب تک مسیح اس دنیا میں ظاہر نہ ہوا تھا۔ اس زمانہ میں بھی مسیح کا روح جو ان میں تھا پیشتر سے مسیح کے دکھوں کی اور ان کے بعد کے جلال کی گواہی دیتا تھا۔ (۱ پطرس ۱:۱۱) اور مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد بھی اس کا روح انسانوں کو ایشوری گیان بخشتا ہے۔ چنانچہ رسول بتاتا ہے کہ تمہارا وہ مسح جو اس کی طرف سے کیا گیا ہے تم میں قائم رہتا ہے اور تم اس کے محتاج نہیں کہ کوئی تمہیں سکھائے بلکہ وہ مسح جو اس کی طرف سے کیا گیا ہے تمہیں سب باتیں سکھاتا ہے۔ (۱ یوحنا ۲: ۲۷)

۱: ۵ میں رسول اہل معرفت Gnostics کو کہتا ہے کہ پہلا مضمون جو ہم کو مسیح سے اور مسیح کی معرفت ذاتی

تجربہ سے حاصل ہُوا ہے یہ ہے کہ خُدا نوُر ہے۔ یہ ایک قدیم سوال اور معمّہ ہے کہ ہر کیسا ہے۔یعنی خُدا کیسا ہے؟ خُدا بے مثل ضرُور ہے مگر بے مثال نہیں۔اور یُوحنّا رسُول نے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ سے اِس معمّہ کا مکمّل جواب دیا ہے۔یعنی نہایت پاکیزہ اور لطیف تشبیہوں سے خُدا کا بیان کیا ہے جس سے ہم خُدا کے کام اور اُس کی صفات کا ہی نہیں بلکہ اس کی بے حد اور قُدوس ذات کا تصوّر حاصل کرتے ہیں جو انسان کے وہم وگمان سے برتر ہے کہ

۱۔ خُدا روح ہے۔ یُوحنّا ۴: ۲۴
۲۔ خُدا نُور ہے۔ ۱یُوحنّا ۱: ۵
۳۔ خُدا محبّت ہے۔ ۱یُوحنّا ۴: ۸

سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خُدا نوُر ہے اور اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں۔ نوُر کے عدم وجود یعنی نہ ہونے کا نام تاریکی ہے؛ خُدا نور مطلق ہے۔نوُر ایک مثبت امر ہے۔یعنی حقیقت مطلق ہے۔اس میں خلا یا عدم ناممکن اور محال مطلق ہے۔خُدا نوُر مطلق ہے۔یعنی اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں۔مگر دُنیا کا نوُر اضافی ہوتا ہے۔ جہاں تک خُدا کے نوُر کا تعلق ہے وہ نوُر مطلق ہے اس

کے نور میں یہ گنجائش اور امکان نہیں کہ کسی وقت یا کسی جگہ یہ کہا جا سکے کہ اب یا اس جگہ نور کا عدم وجود ہے اور دنیاوی نور میں بھی عدم نور ناممکن ہے۔اماوس کی رات کو جب اپنا ہاتھ تک نہیں سوجھتا آسمان کے ستارے نظر آتے ہیں۔اب ستارے دکھائی دینے کا یہ اصول ہے کہ سورج کا نور ستارے میں اور ستارے کا نور آنکھ میں چمکتا ہے۔گویا جب رات کو ستارہ نظر آتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ آسمان سے لیکر آنکھ تک ستارے کی روشنی کی باریک لکیر موجود ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ جس کو ہم گھپ یا گھٹا ٹوپ اندھیرا کہتے ہیں اس میں روشنی موجود ہوتی ہے۔مگر یہ روشنی سایوں سے بھری ہوتی ہے تاہم روشنی ضرور موجود ہوتی ہے۔نور میں حرارت ہوتی ہے۔نور اور حرارت سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور پنپتی ہے۔نور سے پتوں اور پھولوں میں تمام رنگ آتے ہیں۔اور پھلوں اور پھولوں میں خوشبو اور مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔اس کے برعکس اندھیرے اور خنکی یعنی ٹھنڈک میں بیماری اور موت کے جراثیم پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں۔اس سے یہ مراد ہوتی کہ خدا جو نور ہے زندگی کا منبع ہے اور زندگی میں خوبصورتی اور ترقی لاتا ہے۔

موت کو روکتا ہے اور زندگی میں خوشبو اور مزہ یعنی لطف پیدا کرتا ہے اور زندگی کو بسر کرنے کے قابل بناتا ہے۔ ایسی زندگی کا تجربہ صرف مسیح میں ممکن ہے۔

۱:۶ میں رسول کہتا ہے کہ ۱:۳ میں ہم کہہ چکے ہیں کہ مسیح اور خدا کے ساتھ ہماری شراکت ہے۔ یعنی ہم میں خدا اور مسیح کا نور ہے جو ہماری زندگی میں رنگ۔ خوشبو۔ شیرینی۔ کشش اور لطف پیدا کرتا ہے۔ باوجود اس دعوٰی کے اگر ہم نور کی عنایات اور اثرات سے خالی اور یکسر محروم ہیں۔ تو ہمارا دعوٰی باطل ہے اور دعوٰی بے دلیل مُدعی کی تذلیل ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر رسول اہل معرفت Gnostics کو ہنکارتا ہے۔ کہ اگر تمہارا یہ دعوٰی کہ ہم نور میں ہیں" سچ ہے تو لاؤ نور کا اثر دکھاؤ۔ اور اگر تم میں نور کا اثر نہیں تو تم جھوٹے ہو اور تمہارا دعوٰی باطل ہے۔

بات یہ تھی یہ نام نہاد اہل معرفت Gnostics بام ہائیکول کے بھائی تھے جن کا بارگھٹہ کٹ ہونا ہے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کسی انسان کا دماغ آسمانی نور سے منور ہو جائے تو وہ جو چاہے کرتا رہے کچھ مضائقہ نہیں۔ پھر تھی کو دوش نہیں۔ وہ نیکی بدی سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ نے ان حضرات کے اخلاق کا دیوالہ

نکال دیا تھا۔ اور رسولوں نے ایک نازک خطرہ دیکھ کر فوراً خط لکھا اور جماعت کو آگاہ اور بیدار کر دیا۔

ہمارے ہاں یہی خطرہ ویدانت میں پنہاں ہے۔ ویدانت کے دو انتہائی نتیجے ہیں یعنی ایک طرف تو ترکِ دنیا اور ترک لذات اور دوسری طرف عیش و عشرت۔ جب ویدانتی کو اہم برہم یعنی انا الحق کا زعم ہو جاتا ہے۔ تو وہ خود کو برہم کی طرح نرلیپ تسلیم کر لیتا ہے اور من مانی کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس کی زندہ مثال بام مارگی گروہ ہے۔

جس طرح سورج کا نور اور اس کی حرارت ہمارے بدن کے ایک ایک روئیں میں موجود ہے۔ اسی طرح خدا جو نور ہے ہماری زندگی۔ شخصیت اور انسانیت کے تانے بانے میں اور ایک ایک ذرہ میں موجود ہے تو بھی ہم میں سے کوئی یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ میں خدا ہوں۔ بے شک نور کی گواہی دینے کے سبب ایماندار نور کہلانے لگا ہے۔ گویا ہم نورانی اور منور ہیں۔ مگر نور مطلق صرف خدا ہے۔ چنانچہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ خود تو نور نہ تھا مگر نور کی گواہی دینے کو آیا تھا (انجیل یوحنا ۱: ۸)

۱:۷ اہلِ معرفت Gnostics بھائیو! نور سے شراکت کا ثبوت یہ ہے کہ دعویدار نور میں چلے۔ نور کے کام کرے۔ انجیل نے اس کا معیار مقرر کیا ہے "یسوع نے ان سے کہا۔ دُنیا کا نُور مَیں ہوں جو میری پیروی کریگا وہ اندھیرے میں نہ چلے گا۔ بلکہ زندگی کا نور پائیگا" (انجیل یُوحنّا ۸: ۱۲) اور یسُوع نے جواب دیا کہ اگر کوئی دن کو چلے تو ٹھوکر نہیں کھاتا۔ کیونکہ وُہ دُنیا کی روشنی دیکھتا ہے (انجیل یُوحنا ۱۱) مگر اہلِ معرفت Gnostics بھائیو! تم تو قدم قدم پر ٹھوکر کھاتے ہو اور سنبھلتے ہی نہیں۔ تمہارا دعویٰ باطل ہے۔ اور تم اندھے راہ دکھانے والے ہو۔ دُنیا کا نُور یسوع مسیح ہے خُدا کے ساتھ شراکت صرف اس میں ہو کر ممکن ہے۔ انعکاس اور انتشار نُور کا خاصہ ہے۔ لہٰذا جب کسی جسم پر نُور کا اثر پڑتا ہے تو اسی میں جذب ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ منعکس ہوتا ہے اور پھیلتا ہے اسی طرح جب ایمان دار خُدا کے نور میں شریک ہوتا ہے۔ تو وہ نور اس کی زندگی سے منعکس ہوتا ہے اور آس پاس کی زندگیوں کو روشن اور ظاہر کرتا ہے۔ نور میں چلنے کے لئے پرانے عہد نامہ میں "خدا کے ساتھ ساتھ چلنا" آیا ہے۔ مثلاً حنوک خُدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ نوح خُدا

کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ (پیدائش ۵: ۲۴ و ۶: ۹)
۱: ۷ کا آخری حصّہ اس طرح ہے "اور اس کے بیٹے یسُوع کا خون ہمیں تمام گناہ سے پاک کرتا ہے"۔ یہ جملہ شراکت کے بیان سے پہلے چاہئے تھا۔ کیونکہ خدا کے ساتھ شراکت اور یگانگت اس کا نتیجہ ہے۔ یعنی بات یہ نہیں کہ چونکہ ہماری شراکت باپ کے ساتھ اور اس کے بیٹے یسوع مسیح کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس کے بیٹے یسُوع کا خون وغیرہ۔ بلکہ بات اس طرح ہے کہ چونکہ اس کے بیٹے یسوع وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے ہماری شراکت وغیرہ اگر کوئی روشنی میں چلے گا یعنی جس قدر روشنی اس کو نصیب ہوئی اس کو استعمال کرے گا تو زیادہ نور پائے گا۔ اگر ایک آدمی رات کے اندھیرے میں لیمپ یا ٹارچ لے کر چلے اور روپڑ سے انبالہ جانا چاہے تو اس کے ٹارچ کی روشنی سے روپڑ میں کھڑے کھڑے اس کو انبالہ نظر نہیں آ سکتا ہاں چار پانچ گز تک سڑک پر روشنی ٹارچ نے دکھائی وہ فاصلہ طے کرے تو چار پانچ گز اور آگے رستہ نظر آنے لگے گا۔ اس طرح جس قدر روشنی میں سڑک نظر آتی جائے اسے طے کرتا جائے تو ضرور انبالے پہنچ جائیگا۔ لیکن اگر گھر کے دروازہ پر کھڑا ہو کر اور ٹارچ چمکا کر کہے کہ بھائیو مجھے انبالہ

تو نظر نہیں آتا - اندھیرا ہے۔ میں سفر نہ کروں گا تو وہ نہ گھر سے سرکے گا نہ منزلِ مقصود پر پہنچے گا۔

اگر کوئی نُور میں چلے گا تو یہ چار نتیجے اُس کی زندگی میں ظاہر ہوں گے۔

۱ - خُدا اور بھائیوں سے شراکت - ۱:۵-۷

۲ - بدی کا امتیاز اور اقرار - ۱:۸و۲:۲

۳ - مسیح کی مثال سے خُدا کی تابعداری - ۲:۳-۶

۴ - برادرانہ اُلفت - ۲:۷-۱۱

لفظ نُور صرف تشبیہ ہے۔ اس سے مُراد ہے پاکیزگی - راستبازی - قدوسیت - شراکت سے یہ بھی مراد ہے کہ خدا اس انسان پر جو خدا کی دی ہوئی روشنی استعمال کرتا ہے زیادہ سے زیادہ روحانی راز کھولتا ہے۔ چنانچہ جب خُدا نے ابراہام کو اپنی محبت میں شریک کیا تو کہا کہ کیا میں جو کچھ کرنے کو ہوں اسے ابراہام سے پوشیدہ رکھوں؟ (پیدائش ۱۸:۱۷) اس کے بعد خدا نے ابراہام کو صدوم اور عمورا کے متعلق کل پروگرام بتا دیا اور اس کے مشورہ اور سفارش کی قدر کی۔

دُنیا کے لحاظ سے تو شراکت میں فریقین کا برابر حصّہ ہوتا ہے۔ برابر نہ ہو سکے تو کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے۔

لیکن جب ایماندار کی شراکت خدا کے ساتھ قائم ہوتی ہے تو کل سرمایہ خدا کا ہوتا ہے۔ مگر اس کے منافع میں ایماندار سو فیصدی کا حقدار ہوتا ہے۔

ایمان دار کے سامنے پاکیزگی کا معیار یسوع مسیح ہے اور خدا باپ ہے۔ جن کے ساتھ ایمان دار کی شراکت ہے۔ لکھا ہے کامل بنو جس طرح تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔ اور پاک بنو کیونکہ میں پاک ہوں۔ خداوند فرماتا ہے (متی ۵: ۴۸۔ ا پطرس ۱: ۱۶)

۱: ۷ میں پاک کے لئے یونانی کا یہی لفظ ہے جو متی ۵: ۸ میں ہے جہاں آیا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں۔

یہودی مذہب میں اسلام اور ہندو دھرم میں خدا کے حضور میں جانے کے لئے غسل اور طہارت اور سنان (پانی اوپر سے بہانا) کا حکم ہے۔ انجیل میں دل کی پاکیزگی طلب کی گئی ہے۔ جملہ کا حصہ اس کے بیٹے کا خون بیحد غور طلب ہے۔ قربانی کے کسی جانور کے بیٹے یا بچے کا نہیں۔ پاک جانوروں میں سے کسی کے بچے کا نہیں۔ انسان کے بیٹے کا نہیں کیونکہ سب گنہگار ہیں اور شریعت کے فتوے کے تحت ہیں۔ وہ خود پاکیزگی کے محتاج ہیں۔ صرف خدا کے بیٹے کا خون جس میں ذرا بھی تاریکی نہیں کافی اور وافی ہے۔

۱:۸ پاکیزگی کا دعویٰ خود فریبی ہے۔ اور گنہگاری کا انکار کفر ہے۔ مسیح کی ضرورت کو رد کرتا ہے۔

۱:۹ اگر اپنے گناہوں کا اقرار کریں تو وہ ہمارے گناہوں کے معاف کرنے اور ہمیں ساری ناراستی سے پاک کرنے میں سچا اور عادل ہے۔

ایوب ۲۵:۴-۶۔ انسان کیونکر خدا کے حضور راست ٹھہر سکتا ہے یا وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ہو سکتا ہے۔ دیکھ چاند میں بھی روشنی نہیں۔ اور تارے اس کی نظر میں پاک نہیں۔ پھر بھلا انسان کا جو محض کیڑا ہے اور آدم زاد کا جو صرف کِرم ہے کیا ذکر۔

امثال ۲۰:۹ کون کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے اپنے دل کو صاف کر لیا ہے اور مَیں اپنے گناہ سے پاک ہو گیا ہوں۔

واعظ ۷:۲۰ زمین پر کوئی ایسا راستباز نہیں کہ نیکی ہی کرے اور خطا نہ کرے۔

سب انسانوں کو توبہ کی ضرورت ہے

جس یونانی لفظ کا ترجمہ سچا کیا گیا ہے اسی کا ترجمہ وفادار بھی کیا گیا ہے (۲ تم ۲:۱۳) (حاشیہ) انسان کی توبہ خدا کی وفاداری سے پیدا ہوتی ہے اور مؤثر ٹھہرتی ہے۔ توبہ خدا کی طرف سے ایک توفیق ہے۔

اعمال ۱۷: ۳۰-۳۱:۔ خدا جہالت کے وقتوں سے چشم پوشی کر کے سب آدمیوں کو ہر جگہ حکم دیتا ہے کہ توبہ کریں کیونکہ اس نے ایک دن ٹھہرایا ہے جس میں وہ راستی سے دُنیا کی عدالت اس آدمی کی معرفت کرے گا جسے اس نے مقرر کیا ہے اور اسے مُردوں میں سے جلا کر یہ بات سب پر ثابت کر دی ہے۔

عبرانیوں ۱۰: ۲۳ جس نے وعدہ کیا ہے وہ سچا ہے۔ (وفادار ہے) ۲تھسلنیکیوں ۵: ۲۳-۲۴ و ۲تیمتھیس ۱: ۱۲ و ۱پطرس ۴: ۱۹۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہمارے گناہ معاف کرے گا۔

(۱) کیونکہ اس نے مسیح میں وعدہ کیا ہے (۲) اس نے اپنے روح سے ہمارے اندر پشیمانی پیدا کر دیا ہے۔ اور اس کو پورا کریگا (۳) ہماری توبہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہمیں اس پر بھروسہ ہے۔

منصف کے انصاف کا کمال اس میں ہے کہ ملزم کو اپنی مانند بے الزام اور قانون کا محافظ بنالے مسیح یہی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ہماری کمزوری اور محتاجی سے ذاتی اور تجربی طور پر واقف ہے۔

عبرانیوں ۲: ۱۸ کیونکہ جس حالت میں اس نے خود ہی دکھ اُٹھایا تو وہ اُن کی بھی مدد کر سکتا ہے جن کی آزمائش ہوتی ہے۔

عبرانیوں ۴ : ۱۵ وہ ہمارا ہمدرد سردار کاہن ہے۔ یعنی ہمارے دردوں میں شریک ہو چکا ہے۔

یوحنا ۵ : ۱۷ اور ۲۲ و اعمال ۱۷ : ۲۰-۲۱ سے ظاہر ہے۔ کہ قیامت میں مسیح عدالت کا حاکم ہوگا۔ وہ ہر روز ہماری مدد کرتا ہے اور ہماری کمزوری دیکھ رہا ہے۔ قیامت اور عدالت میں وہ ہمدردی سے پیش آئے گا۔ یعنی ہم خالی ہاتھ ہوں گے اور محتاج ہوں گے۔ تو وہ اپنی راستبازی ہمارے حساب میں لگا دیگا۔ کیونکہ ہماری اس کے ساتھ شراکت ہے اُسے خوب یاد ہوگا کہ ہم نے بار بار خُدا پرستی اور نیکی کا ارادہ کیا۔ عہد باندھا اور تیاری کی مگر ہماری بشریت غالب آ گئی۔ اور ہم نے شکست کھائی۔ ہماری نیت اور کوشش کو دیکھ کر وہ ہماری کمزوری کی رعایت کرے گا۔

عبرانیوں ۴ : ۱۵۔ اس زندگی میں جب ہم توبہ کرتے ہیں۔ وہ پاک روح سے ہماری مدد کرتا ہے اور بدی پر غالب آنے کی توفیق بخشتا ہے۔

مسیح میں اور دیگر مذاہب کے راہبروں میں یہی فرق ہے کہ وہ نیکی کی ہدایت تو کرتے ہیں مگر نیکی کی توفیق نہیں دیتے نہ دے سکتے ہیں۔ مسیح آزمائشوں پر غالب ہے۔ وہ فتح مند ہے وہ اپنے جیسی فتح توبہ کی شرط پر ایماندار کو عطا کرتا ہے۔

وہ ہمارے جرائم کی فہرست دیکھ کر طیش میں نہیں آجاتا بلکہ اسے ہم پر ترس آتا ہے۔

توبہ میں گناہوں کا اقرار شرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور گناہ ترک کرنے کی نیت باندھی جاتی ہے۔

۱۱۰۱ گناہ کا انکار یعنی راستبازی کا دعویٰ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس میں گویا خُدا کی برابری اور ہمسری کا دعویٰ ہے۔

۱۱۲ - اے میرے بچو :-

شاگرد اپنے اُستاد کا بچہ ہوتا ہے۔ جس طرح اُس نے باپ سے مادی بدن۔ طبیعت اور مزاج پایا ہے اسی طرح اُستاد سے اس کی ذہنی۔ اخلاقی۔ علمی اور مذہبی سیرت نے جِلا پائی ہے۔ جس طرح وہ باپ کی بعض صفات کا ظہور ہے۔ اسی طرح وہ اُستاد کی اندرونی سیرت اور استعداد کا بیرونی ظہور ہے۔ پولوس رسول اپنے شاگردوں کو فرزند کہتا ہے۔ اور یہ حق اور رشتہ ثابت کرنے کے لئے مختلف جُملے استعمال کرتا ہے۔ مثلاً خُدا میرا گواہ ہے کہ مَیں مسیح یسوع کی سی اُلفت کر کے تم سب کا مشتاق ہُوں (فلپیوں ۱: ۸) جس طرح ماں اپنے بچوں کو پالتی ہے اسی طرح ہم تمہارے درمیان نرمی کے ساتھ رہے (۱ تسل ۲: ۷)

۱۱۲ - تم گناہ نہ کرو :-

نام نہاد اہلِ معرفت Gnostics خدا کی قدوسیت سے واقف نہ تھے نہ یہ جانتے تھے کہ خدا اپنے طالبوں سے راستبازی کا مطالبہ کرتا ہے۔ تو بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اس میں قائم ہیں اور بدی پر غالب ہیں بلکہ یہ تعلیم بھی دیتے تھے کہ خوب عیش و عشرت کرو۔ تاکہ بدی کے مقابلہ میں روح کو معلوم ہو کہ نیکی کیا ہے۔ ایسی تعلیم چھوت کی بیماری کی طرح دور سے اُڑ کر کمزور انسان کو چمٹتی ہے۔ اور مسیحی اس آزمائش میں تھے۔ اسی لئے ان کو ہدایت کی ضرورت پڑی۔

۲: ۱-۱۔ اگر کوئی گناہ کرے۔

اس کے کیا معنی۔ کیا انسان اتفاقیہ گناہ کرتا ہے؟

یہ جملہ ایمان داروں کے لئے لکھا گیا ہے۔ جن کی بابت آیا ہے کہ جو خدا سے پیدا ہوا ہے گناہ نہیں کرتا (رہتا) ۱یوحنا ۳: ۹ جو کوئی اس میں قائم رہتا ہے۔ وہ گناہ نہیں کرتا (۱یوحنا ۳: ۶) یونانی کا لفظ جس کا ترجمہ "نہیں کرتا" کیا گیا ہے۔ اس میں یہ مفہوم ہے کہ گناہ کرتا نہیں رہتا۔ بشری کمزوری کے باعث جب اس سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ پشیمان ہوتا ہے اور خدا اس کو سچی توبہ کی اور گناہ سے بچنے کی توفیق بخشتا ہے۔ اس وقت گناہ کی ترغیب عام تھی۔ اس لئے ان کی بشری کمزوری کو

سامنے رکھ کر رسول نے یہ بات کہی۔

۲: ۱- ایک مددگار :-

ایک مددگار یسوع راستباز ہے اور دوسرا مددگار پاک روح ہے (یوحنا ۱۴: ۱۶-۱۷) دونوں ہی انسان کو قائل کرتے ہیں۔ توبہ کی ہدایت کرتے اور گناہ پر غالب آنے کی توفیق دیتے ہیں۔

۲: ۲- وہی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے :-

نہ صرف ہمارے بلکہ کل دُنیا کے گناہوں کا۔ کلیسیا ان لوگوں کی جماعت ہے جنہوں نے ابھی یسوع مسیح کو قبول کیا ہے۔ مسیح کا کفارہ کل دُنیا کے لئے ہے اور انسان اسے قبول کرتے جا رہے ہیں اور کرتے ہی رہیں گے جب تک ایک ہی گلہ اور ایک ہی گلہ بان نہ ہو جائے۔

اس وقت ایمان دار لوگ بخشش کی حالت میں ہیں۔ یعنی ان کی معافی کا مکمل انتظام ہے۔ مگر ان میں گناہ کا امکان بھی ہے۔ ہر ایمان دار Redeemed Sinner مغفور گنہگار ہے۔ اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ ... کا جرمانہ بھی دیا جا چکا ہے وہ ضمانت پر رہا ہے اور اب اس کی خصلت اور جبلت بدل رہی ہے۔ ایک دن وہ کمال کو یعنی مسیح کے قد کے اندازے تک پہنچ جائیگا۔

۲: ۳- اگر ہم اس کے حکموں پر عمل کرینگے تو اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ اسے جان گئے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خُدا کا عِلم و عرفان ذہنی حصُول نہیں بلکہ عملی اور تجربی علم ہے۔ اس کا تعلق صرف دماغ سے نہیں بلکہ کردار سے ہے۔ اس کے حکموں پر عمل کرنے سے ہم اس کی پاکیزگی کا یقین پاتے ہیں۔ اس کے وعدوں کی سچائی اور پختگی معلوم ہوتی ہے اور وعدہ وفائی یعنی وفاداری کا علم ہو جاتا ہے۔ اس کی پروردگاری اور بخشش کا تجربہ ہو جاتا ہے۔

دُنیا کا ہر علم انسان کے سر میں آتا ہے۔ مگر خُدا کا عِلم کل زندگی میں آتا ہے۔ دُنیا کا ہر علم انسان کی شخصیت کے صرف ایک پہلو کو روشن کرتا ہے۔ مگر خُدا کا علم کل شخصیت کو نورانی کرتا ہے دُنیا کے ہر علم میں شک کی گنجائش رہ جاتی ہے مگر خُدا کے گیان میں شک اور شبہ نہیں رہتا۔ دُنیا کا علم تکبّر پیدا کرتا ہے مگر خدا کا علم خاکساری اور عاجزی اور کسر نفسی پیدا کرتا ہے۔ دُنیا کا علم حکومت اور مرتبہ کی پیاس لگاتا ہے۔ مگر خُدا کا علم قربانی اور ایثار کی عادت اور مشق دیتا ہے۔

خُدا کا حکم:۔ لفظ حکم اسلام، سکھ دھرم اور مسیحیت میں

کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی ہیں خُدا کی ہ... ۔
اٹل مرضی۔ اسلام میں اس کو حکم ربّی کہا گیا ہے۔ گرنتھ ...
میں لفظ حکم ہی آیا ہے۔ مثلاً

پوڑی

۱۔ حکمی ہودن آکار حکم نہ کہیا جائی (خُدا کے حکم سے صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وُہ حکم بیان نہیں کیا جا سکتا۔)

۲۔ حکمی ہودن جیہ حکم ملے وڈیائی (حکم سے جیو پیدا ہوتے ہیں۔ حکم سے فضیلت ملتی ہے)

۳۔ حکمی اُتم نیچ حکم لکھ دُکھ سُکھ پائی اِہ (حکم سے اونچ نیچ پیدا ہوتے ہیں)

۴۔ اکناں حکمی بخشیس اک حکمی سدا بھوائی اِہ (حکم سے نجات حکم سے آواگون)

۵۔ حکمے اندر سبھ کو باہر نہ کوئے (سب حکم کے ماتحت ہیں)

۶۔ نانک حکمے جے بُجھے تا ہومیں کہے نہ کوئے (کوئی حکم کی حقیقت کو جان لے تو خودی نہیں کر سکتا۔)

پھر:۔ حکم رجائیں چلنا نانک لکھیا نال (خُدا کے حکم یعنی رضا (رجائیں) پر چلنا ازل سے ہے۔)

۱۱۴۔ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اسے جان گیا ہوں اور اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتا وُہ جھوٹا ہے اور اس میں سچائی نہیں؛۔

خُدا کا گیان ایک علم ہے۔ خُدا میں زندگی ہے۔ اس کے گیان سے زندگی ملتی ہے اور زندگی کا ثبوت حرکت اور عمل ہے۔ پس گیانی وہ ہے جو گیان کو عمل میں لاتا ہے۔

زبور ۱۹: ۸ خداوند کا حکم بے عیب ہے وہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔

جھوٹا جھوٹ کا [illegible] ہے اور حقیقت کی نقل کو جھوٹ کہتے ہیں۔ خُدا حقیقت مطلق ہے۔ سچ خدا سے ہے۔ شیطان کے پاس [illegible] خدا کی باتوں کی نقل کرتا ہے۔ نقل میں کھوٹا پن [illegible]۔ اسی لئے رسول نے کہا ہے کہ وہ جھوٹا ہے بلکہ جھوٹ کا باپ ہے (یوحنا ۸: ۴۴)۔ جھوٹ اسی سے پیدا ہوا ہے۔ وہ اصل کی نقل کرتا ہے۔ مثلاً خدا نے آدم کو کہا کہ جس دن تو یہ منع کیا ہوا پھل کھائیگا مرے گا۔ مگر شیطان نے کہا کہ نہیں مروگے کیسے۔ مردے کی آنکھیں تو بند ہوتی ہیں مگر جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔

[illegible] ۵: جو کوئی اُس کے کلام پر عمل کرے اُس میں یقیناً خدا کی محبت کامل ہو گئی ہے۔ [illegible] اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس میں ہیں۔

[illegible] (۱) خدا کے کلام پر عمل کرنا (۲) سچائی (۳) خدا کی [illegible] کامل ہونا اور (۴) خدا میں قائم ہونا ایک ہی بات [illegible] کی محبت اصل بنیاد ہے۔

خُدا کامل ہے۔ اس کی محبت بھی کامل ہے۔ خدا نخواستہ

کر کے پیار نہیں کرتا۔ وہ ایمان داروں سے کامل محبت رکھتا ہے۔ اپنا کُل فضل دکھاتا ہے اور پروردگاری اور نجات کی کامل تدبیر اس کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مثلاً اس کا کُل سورج ہر انسان کے واسطے ہے۔ دُنیا کی آبادی پر تقسیم نہیں ہوتا۔ کہ ہر مُلک کو اس قدر اور پھر ہر انسان کو اس قدر۔ اسی طرح ہوا بھی کل کی کل ہر انسان کے استعمال کو بخش دی ہے۔ یہی حال روحانی باتوں کا ہے۔ لکھا ہے وہ روح ناپ کر نہیں دیتا۔ اسی طرح نجات ٹکڑے کر کے کسی جماعت کو نہیں دیتا بلکہ مکمل نجات دیتا ہے۔ اسی لئے انجیل کہتی ہے کہ کامل بنو جس طرح تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔ (متی ۶: ۴۸)

۱ : ۵۔ اسی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔

یعنی علم کی بُنیاد خُدا کی محبت ہے۔ انسان دُنیا کا علم خود غرضی یعنی اپنی قدر بڑھانے اور دولت پیدا کرنے کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ ان میں خُدا کی نہیں اپنی محبت ہوتی ہے۔ اسی لئے علم حاصل کر کے بھی جاہل رہتے ہیں۔ عالم اور فاضل لوگوں کو ان پڑھ دھوبی موچی۔ بماری۔ حافظ کی دیکھا دیکھی پڑھنے والے اور دُکاندار انگلیوں پر نچاتے اور اُلو بناتے ہیں۔ مگر جہاں خُدا کی محبت ہے وہاں باہمی محبت اور ہمدردی بھی ہے۔ جس کے سبب باہمی اعتبار ہوتا ہے اور جہاں محبت اور اعتبار ہے وہاں دھوکہ نہیں۔

۱:۵-ہم اس میں ہیں۔
یہ تصوّف کی اصطلاح ہے۔ مگر اس میں نیا مفہوم ہے۔ ویدانت میں اس کے معنی ہیں اپنی ذات اور ہستی کھو دینا۔
ع۔ مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے۔ کہ دانہ خاک میں ملکر گل و گلزار ہوتا ہے۔
ہستی اور ذات ہی تو خدا کی رفاقت کا لُطف اُٹھانا چاہتی ہے۔ جب وہ ہی نہ رہی تو مقصد کس کا پُورا ہُوا اور لُطف کس نے اُٹھایا۔
مُسلم صوفی بھی فنا کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر ان کے ہاں بقا کا لفظ اور تصوّر بھی ہے۔ یُوحنّا بہت ہی نرالا اور نیا تصوّر پیش کرتا ہے۔ انسان کی شخصیت کا رسول نے پتہ دیا ہے اور اس کی قدر بتائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ایماندار خدا کے ساتھ رفاقت پاکر اپنی ہستی نہیں کھو دیتا بلکہ اس کی ہستی اُجاگر ہو جاتی ہے اور اس کی شخصیت مکمّل ہو جاتی ہے۔
۱:۶-جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اس میں قائم ہوں تو چاہیے کہ یہ بھی اسیطرح چلے جس طرح وہ چلتا تھا۔
مسیح میں قائم ہونے کی بُنیاد مسیح کی محبّت ہے۔ محبّت اس کے حکم ماننے کی ترغیب دیتی ہے۔
اہلِ عرفان Gnostics دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم خدا میں قائم ہیں۔ مگر ان کا چال چلن مسیح کے لائق نہ تھا۔ یعنی ان کے پاس ان کے دعوٰی کی دلیل نہ تھی جس سے وہ جھوٹے ثابت ہوتے تھے۔

اس آیت میں رسول نے ایک اٹل اُصول پیش کیا ہے کہ جو کوئی مسیح میں ہے وُہ نیا مخلوق ہے۔ اس میں نئی طبیعت ہے جو اس کو مسیح سے ملی ہے۔ اس کا مزاج مسیح کے مزاج سے ملتا ہے۔ مسیح راہ ہے۔ مسیح شاہراہ ہے۔ مسیح سیدھی راہ ہے۔ جیسی راہ ہوگی ویسے ہی مسافر چلے گا۔ مسیح کے ساتھ چلنے والے سے یہ اُمید کی جاتی ہے کہ وُہ سیدھا چلے۔ (لوقا ۱۳: ۲۳ و یوحنا ۱۱: ۹ و ۱۰: ۹)

۲: ۷۔ ۹۔ اے عزیزو میں تمہیں کوئی نیا حکم نہیں لکھتا۔ بلکہ وہی پرانا حکم جو شروع سے تمہیں ملا ہے۔ یہ پرانا حکم وہی کلام ہے جو تم نے سُنا ہے پھر تمہیں ایک نیا حکم لکھتا ہوں اور یہ بات اس پر اور تم پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ تاریکی مٹتی جاتی ہے اور حقیقی نور چمکنا شروع ہو گیا ہے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نور میں ہوں اور اپنے بھائی سے عداوت رکھتا ہے وہ ابھی تک تاریکی میں ہے۔

ان آیتوں میں اہلِ معرفت Gnostics کے ایک اور دعوے کو آزمایا ہے اور ایک اٹل اُصول پیش کر کے ان کے دعوے کی آزمائش کی ہے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم نور میں ہیں۔ مگر ان میں برادرانہ اُلفت نہ تھی۔ انسانی اخوت اور برادری ان کے عقیدہ میں نہ تھیں۔ وُہ گویا تولے گئے اور کم نکلے۔ وُہ تاریکی میں پڑے ٹٹول رہے تھے مگر رٹ یہ لگا رکھی تھی کہ ہم نور میں ہیں۔

اِن آیتوں میں حکم اور کلام ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ حکم یا کلام

خُدا کی ازلی مرضی کا اظہار ہے۔
پرانا حکم:۔ حکم کو دو معنوں میں پرانا کہا گیا ہے۔(۱) زمانے کے لحاظ سے پرانا یا قدیم اور (۲) نئے کے مقابلہ میں پرانا۔ جب معنوں میں کمال اور وسعت آگئی تو وہی نیا ہوگیا۔ مثلاً
متی ۵: ۴۳ میں مسیح نے کہا ہے کہ تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھو اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانیوالوں کیلئے دعا کرو
نور اور محبت ایک ہی چیز ہے اور عداوت اور تاریکی بھی ایک ہی چیز ہے۔
حقیقی نور:۔ حقیقی بیان مطلق کے معنوں میں اِستعمال ہوا ہے۔ نور مطلق وُہ ہے جس میں ذرا بھی تاریکی نہیں۔
انجیل یُوحنّا ۱:۱۵۔ مسیح حقیقی انگور کا درخت ہے۔
" " ۶: ۳۲۔ مسیح حقیقی روٹی ہے۔
پہلا خط یُوحنّا ۲: ۹۔ مسیح حقیقی نُور ہے۔
اضافی یا چھوٹے نور وُہ ہیں جو مسیح کے علاوہ ہیں۔ مثلاً یُوحنّا کو چمکتا ہوا چیراغ کہا گیا ہے۔ اسی طرح دیگر نبیوں کو نور دیا گیا تھا۔ اس باطنی نور کے علاوہ مادّی اور ظاہری نُور ہے۔ مثلاً سورج۔ چاند۔ اور ستاروں کا نُور۔ مگر یہ کل نور حقیقی نُور کے پر تاپ سے ہیں۔

بھائی:۔ انسانوں کو دو طرح سے ایک دوسرے کے بھائی کہا گیا ہے
(۱) استثنا ۲۳: ۷۔ تو کسی ادومی سے نفرت نہ رکھنا۔ وہ تیرا بھائی
ہے۔ یعنی انسان ہم جنس ہونے کے سبب آپس میں بھائی بھائی
ہیں۔ (۲)۔ نئی پیدائش حاصل کر کے ایماندار مسیح میں ایک
دوسرے کے بھائی ہیں۔ اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ شروع
ہی ایمانداروں نے ایک دوسرے کو بھائی کہا اور بھائی
مانا [illegible] اعمال ۹: ۱۷ و ۱۴: ۳ و ۲۳: ۳۴ و ۵: ۳۔ وغیرہ
۱ یوحنا ۲: ۱۰-۱۱۔ جو کوئی اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے وہ نور
میں رہتا ہے اور ٹھوکر نہیں کھانے کا لیکن جو اپنے بھائی سے
عداوت رکھتا ہے وہ تاریکی میں ہے اور تاریکی ہی میں چلتا
ہے اور یہ نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہے کیونکہ تاریکی نے اس
کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں۔

بعض مذاہب میں سُنی سنائی اونچی قسم کی باتیں ضرور پائی
جاتی ہیں۔ مگر چونکہ وہ سُنی سنائی ہیں ان میں قوت اور اثر
نہیں اور نہ وہ روزانہ زندگی میں مدد کرتی ہیں۔ انجیل میں
[illegible] مسیح خداوند کی تعلیم ہی روزانہ زندگی کے لئے بخشش نعمت
ہدایت ہے اور [illegible] مسیح خداوند [illegible]
شخصیت ہے جو تابعدار انسان میں عمل کی توفیق پیدا کرتی ہے
[illegible] شروع سے ہی مسیح کی کلیسیا میں محبت اور [illegible] بھائی بندی

کے لئے مشہور رہی ہے۔ انسانی بھلائی کی کل سکیمیں اور خیر خواہی کی کل تحریکیں اسی محبت کا نتیجہ ہیں۔ کلیسیا سے باہر ایسی ایک بھی سکیم یا تحریک شروع نہیں ہوئی۔ آج ان کی نقل ضرور ہو رہی ہے سب حکومتیں آج اُن سکیموں اور تحریکوں کو جاری کرنا اور چلانا اپنی شان اور ترقی سمجھتی ہیں۔

۲: ۷-۱۱- میں ایک ہی مسلسل مضمون ہے۔ یعنی ایمانداروں کی باہمی خالص محبت مسیح کے ساتھ اِن کی ذاتی اور شخصی محبت اور رفاقت کا نتیجہ ہے اور مسیح کے ساتھ محبت اور رفاقت کا لازمی نتیجہ باہمی محبت اور خلوص ہے۔

۲: ۱۱- اور یہ نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہے۔ زندگی میں اس کی مثال اس کشتی جیسی ہے جو منجدھار میں آ گئی ہو اور چاروں طرف طوفان چل رہا ہو۔ کنارہ دُور ہو۔ اور گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو۔ اور چپّو ہاتھ سے چھوٹ گیا ہو۔ ایسے موقعے پر صرف خداوند یسوع مسیح سہارے کو آتا ہے۔

ع۔ رات ہنیری گھمن گھیری دریا ٹھاٹھاں مارے
کی جانن اُہ سارا۔ ساڈی جھڑے وسدے ندی کنارے

شبِ تاریک وبیم موج وگردابِ چنیں ہائل
کجا دانند حالِ ما سُبکسارانِ ساحل ہا

۲: ۱۱- تاریکی نے اس کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں؛

یہ بھی اُصول کی بات کہی ہے۔ رسول اُکھڑی پکھڑی بات نہیں کہتا۔ بڑے اٹل اور عالمگیر اُصول کی بات کہتا ہے۔ انسان کے اندر کئی استعدادیں ہیں جو روزانہ استعمال سے قائم بھی رہتی ہیں اور بڑھتی بھی ہیں۔ مثلاً ہاتھ استعمال سے طاقتور بنتا ہے۔ اور ہنر سیکھتا ہے۔ مگر استعمال نہ کرنے سے اس کی طاقت جاتی رہتی ہے اور ہنر بھول جاتے ہیں۔

سمندر کی تہ میں مچھلیاں رہتی ہیں۔ ان کی آنکھیں تو ہیں۔ مگر سمندر کے اندھیرے میں آنکھیں کام نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مچھلیوں کی دیکھنے کی قوت جاتی رہتی ہے۔ روشنی میں آکر بھی ان کی آنکھیں کام نہیں دیتیں۔

۲:۱۲-۲۹ کی تقسیم اس طرح ہے۔

۲:۱۲-۱۷ خدا کی محبت میں سب کے لئے امکان ہے۔

۲:۱۸-۱۹ مخالفِ مسیح کی دھمکی۔

۲:۲۰-۲۵ مسیح کی طرف سے جو مسح کیا ہوا ہے ہمارا مسح

۲:۲۶-۲۹ ایک نئی حقیقت دریافت کی ہے۔

۲:۱۲-۱۴ میں رسول جماعت کے دو مختلف گروہوں کو خط لکھنے کا مقصد بتاتا ہے۔ یہ گروہ عمر کے لحاظ سے کئے گئے ہیں۔ ہر گروہ کو پیار کے خاص لفظوں سے بلاتا ہے اور انہیں اپنی گہری محبت اور نزدیکی کا یقین دلاتا ہے۔ نیز جماعت

کی مختلف مسیحی خوبیوں پہ پردہ نہیں ڈالتا۔ اور خواہ مخواہ یہ نہیں کہتا کہ بس تم تو تباہ ہو گئے۔ برباد ہو گئے۔ تمہارے پلے بدعت کے باعث کچھ نہیں رہا وغیرہ۔ بلکہ ان کی اُبھری ہوئی مسیحی خوبیوں اور فضل کے انعاموں کا اعتراف کر کے مناسب تعریف کرتا ہے اور دونوں گروہوں کے حق میں یقین سے کہتا ہے کہ اصل گیانی۔ عارف اور خدا کی معرفت رکھنے والے تو تم ہی ہو۔ اور وُہ جو تم کو جاہل اور خدا سے دُور بتاتے ہیں حقیقت میں خود جاہل ہیں اور خدا کو نہیں جانتے۔ اس لئے کہ ان کی عملی زندگی ان کے ہر دعوٰی کے سراسر خلاف ہے۔ مثلاً جو نور میں چلتا ہے وُہ اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے (۲: ۱۰) مگر یہ تو بھائیوں کو جاہل اور حقیر سمجھتے ہیں۔ اور عداوت رکھتے ہیں۔

جو ابتدا سے ہے تم اسے جان گئے ہو:۔

یہ جملہ تین بار لکھ کر گویا جماعت کو ان کے علم اور معرفت اور خدا رسی کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ اور خداوند کو ازلی کہا ہے۔

جب تیسری بار یہ جملہ خط میں استعمال کیا ہے تو بزرگوں کو مخاطب کیا ہے اور کہا ہے "اے بزرگو میں نے تم کو اس لئے لکھا ہے"۔ پہلے دونوں جملوں میں فعل حال استعمال کیا ہے

مگر تیسرے جملے میں فعل ماضی برتا ہے۔ یعنی پہلے دونوں جملوں میں دونوں گروہوں کی توجہ اس موجودہ خط کی طرف پھیری ہے اور اس تیسرے جملے میں اپنی پہلی تحریر یعنی اپنی انجیل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور صرف بزرگوں کو مخاطب کیا ہے جو انجیل لکھنے کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔

۱۲:۱۔ اس کے نام سے تمہارے گناہ معاف ہوئے۔

ماں باپ جب بچوں کا نام رکھتے ہیں تو اس نام میں اپنے بچے کے لئے کل نیک خواہشیں اور دعائیں شامل ہوتی ہیں۔ مثلاً ماں بچے کا نام منشی رکھتی ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ماں کے دل میں تمنا چھپی ہوئی ہے کہ میرا بچہ بڑا ہوکر منشی بنے یعنی علمدار بنے۔

جب ہم کسی شخص کو اس کا نام لے کر پکارتے ہیں تو ہم اس کی اندرونی سیرت اور کل اچھے یا بُرے کردار کو یاد کرتے ہیں۔ پس جب ہم یسوع کا نام لیتے ہیں۔ تو متی ۱:۲۱ کو یاد کرتے ہیں جہاں لکھا ہے کہ تو اس کا نام یسوع رکھنا۔ کیونکہ وہ ہی اپنے لوگوں کو انکے گناہوں سے نجات دے گا۔

اسم سے ہمیشہ موسوم مراد ہوتا ہے یعنی نام سے نام والا مراد ہوتا ہے۔ اعمال ۲۲:۱۶۔ اب دیر کیوں کرتا ہے۔ اُٹھ بپتسمہ لے اور اس کا نام لے کر گناہوں کو دھو ڈال"۔ یسوع نام گناہوں کو دھوتا ہے۔

اعمال ۴: ۱۲۔ آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں دیا گیا۔
اعمال ۲: ۲۱۔ جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائیگا۔
اعمال ۲: ۳۸۔ تم میں سے ہر ایک گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے۔
اعمال ۳: ۶۔ یسوع مسیح ناصری کے نام سے چل پھر۔
یوحنا ۱۴: ۲۶۔ مددگار (یعنی روح القدس باپ میرے نام سے بھیجیگا۔
یوحنا ۱۴: ۱۴۔ میرے نام سے مجھ سے جو چاہو گے وہی کرونگا۔
یوحنا ۱۵: ۱۶۔ میرے نام سے جو باپ سے مانگو گے دیگا۔
یسوع کی شخصیت جس میں اُلوہیت ہے گناہوں کو معاف کرتی ہے۔

گرنتھ صاحب میں نام پر بہت زور ہے اور نام کی بڑی تاکید اور مہاں ہے۔ مثلاً "صاحب تیرے نام وِلوٹنہ ہند ہند چلھ چلھ ہوئے (اے مالک تیرے نام پر ہر گھڑی قربان ہو جاتا ہوں) ایک اونکار ست نام۔

ساوڈیائی دیھ جت نام تیرے لاگے ہاں (مجھے ایسی بزرگی بخش کہ جس سے میں تیرے نام (کی یاد) میں لگا رہا ہوں)" دھناسری محلہ اگھر ۱۔ چوپدے"۔ جب ایک بار بابر بادشاہ نے گورو نانک صاحب کو بیگار میں پکڑا اور پھر چھوڑ کر شراب پیش کی تو آپ نے یوں انکار کیا۔ ع۔

بھانگ دھتورا سُرا[1] پاں اُتر جائے پربھات
نام خماری نانکا چڑھی رہے دن رات

پوڑی ۲۰

۱۔ بھریئے ہتھ پیر تن دیہہ
۲۔ پانی دھوتے اُترس کھیہ
۳۔ مُوت پلیتی کپڑ ہو
۴۔ دے صابون لئیے اوہو دھوئے
۵۔ بھریئے مت پاپاں کے سنگ
۶۔ اوہ دھوپے ناویں (نام) کے رنگ (جپ جی)

(اس پوڑی کا اعمال ۲۲:۱۶ سے مقابلہ کرو)

رسول نے جوانوں اور بزرگوں کو دو درجے عمر کے لحاظ سے دئے ہیں اور سب کو پیار سے چھوٹے بچو کہا ہے۔
۲:۱۵-۱۷۔ نہ دُنیا سے محبت رکھو نہ ان چیزوں سے جو دُنیا میں ہیں۔ جو کوئی دُنیا سے محبت رکھتا ہے۔ اس میں باپ کی محبت نہیں۔ کیونکہ جو کچھ دُنیا میں ہے یعنی جسم کی خواہش اور آنکھوں کی خواہش اور زندگی کی شیخی وُہ باپ کی طرف سے نہیں۔ بلکہ دُنیا کی طرف سے ہے۔ دُنیا اور اس کی خواہش مٹتی جاتی ہیں۔ لیکن جو خُدا کی مرضی پر چلتا ہے وہ ابد تک قائم رہے گا۔

---

[1] شراب

اِن آیتوں میں رسول یہ کہتا ہے کہ ایماندارو۔ تم نے کافی روحانی ترقی کی ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ اب اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہ رہی ہو اور تم غافل ہو کر بیٹھ جاؤ۔ یہ صحیح ہے کہ تم ان نئے بدعتی اُستادوں سے آگے نکل چکے ہو اور وُہ تم کو کوئی نیا روحانی سبق نہیں سکھا سکتے۔ مگر تم کامل نہیں ہو گئے ہو۔ پس خبردار رہو جیسے کہا گیا ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو قائم سمجھے وہ خبردار رہے کہ گر نہ پڑے۔

بدعتی لوگ عارضی چیزیں پیش کرتے ہیں۔ مگر روحانی چیزیں دائمی ہیں۔ تم کو روحانی برکتیں مل رہی ہیں۔ ان ہی کی طرف توجہ رکھو۔

روحانی برکتوں کے مقابلہ میں بدعتی لوگ دُنیا پیش کرتے ہیں اور دُنیا سے مراد ہے کہ جسم کی خواہش۔ آنکھوں کی خواہش اور زندگی کی شیخی۔

صوفیوں نے دُنیا کی یُوں تعریف کی ہے۔ ع
چیست دُنیا از خُدا غافل بُدن نے قماش نقرہ و فرزند و زن
یعنی خدُا سے غافل ہو جانے کا نام ہی دُنیا ہے۔

جسم کی خواہش :۔
اِس کے دو معنے ہیں (۱) کھانے پینے اور پہننے کا بے حد شوق جس سے خودنمائی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے اور بھائیوں

کی محبت اور ہمدردی جاتی رہتی ہے۔(۲) عیاشی اور حرامکاری۔
آدم اور حوّا نے خُدا باپ کی پاک سنگت پر دُنیا یعنی کھانے پینے۔ پہننے اور عیاشی کو ترجیح دی اور پسند کیا۔ نیتجہ یہ ہوُا۔ کہ انسان قِسم قِسم کے لذیذ کھانے بنانا۔ کپڑے بُننا اور پہننے کی چیزیں تیار کرنا تو سیکھ گیا مگر عدن یعنی خُدا کی پاک حضوری اور صحبت سے نکل گیا۔ خُدا کا نافرمان اور بھائی کا قاتل بن گیا۔ اور خُدا نے کہہ دیا کہ تیرا شوق اب عورت کی طرف رہے گا۔ فرائیڈ ایک مشہور ماہرِ نفسیات Psychologist ہوُا ہے۔ اس نے سالہا سال کی تحقیقات اور تجربوں کی بنا پہ کہا ہے کہ انسان میں جنسیت یعنی نفس کا غلبہ بچپن سے ہی کام کرنے لگ جاتا ہے۔ اور نفس کی خواہش بچے میں کئی طرح ظاہر ہوتی ہے اور بچہ کئی طرح سے اس خواہش کو پوُرا کرتا ہے۔ سدوم اور عمورہ بدکار شہروں کی تباہی اور طوفان سے کل ناپاک دُنیا کی بربادی کے بعد خُدا نے کہا کہ "انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے بُرا ہے"۔ (پیدائش ۸: ۲۱) یعنی انسان میں بدی وراثتاً یعنی ماں باپ سے آتی ہے اور ہر بچہ کے اندر بدی کے جذبات اور گناہ کے جراثیم ہوتے ہیں۔

زبور ۵۱: ۵ میں داؤد کہتا ہے کہ دیکھ میں نے بدی میں صُورت پکڑی اور مَیں گناہ کی حالت میں اپنی ماں کے پیٹ

میں پڑا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ بچّے کی پیدائش کا قاعدہ خدا نے انسانی نسل کی ترقی کے لئے دیا ہے۔ یہ قاعدہ پاک ہے۔ مگر انسان جس کی سرشت بد ہے اس پاک قاعدہ کو اپنے نفس اور عیاشی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک اب بدانسان سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ ماں باپ نے اولاد کی خاطر خدا کے قانون پر عمل کیا تھا۔ بلکہ اِس لئے کہ مرد اور عورت نے صرف نفسانی خواہش اور جذبے سے اس پاک قانون کو برتا۔ اور یہ جس طرح ہر قانون کے عمل کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہ انسان سمجھ سوچ کر برتے یا بے سوچے سمجھے برتے۔ اسی طرح جب مرد اور عورت نے انسانی نسل کی ترقی کے اٹل قانون پر صرف نفسانی جذبے سے عمل کیا تو اس کا قدرتی نتیجہ نکلا یعنی بچّہ پیدا ہوا مگر اپنے ساتھ ورثہ میں ماں باپ کا نفسانی جذبہ لایا جو اس کی سرشت میں مضبوطی سے قائم رہتا ہے۔ (رومیوں ۱: ۳۱ و ۲ تمطاؤس ۳: ۳) میں اسے کہا گیا ہے طبعی محبّت سے خالی۔

آنکھوں کی خواہش:۔

یہ اُس انسان کی آنکھ ہے جو بدی میں پیدا ہوا اور شرارت میں پلا۔ یہ کبھی خُدا کے انعام کو اس کے قدرتی اور اصل استعمال

میں نہیں لاتا۔ بلکہ آنکھ کا ناواجب استعمال کرتا ہے۔ اِسی لئے سلیمان کہتا ہے کہ انسان کی آنکھیں سیر نہیں ہوتیں (امثال ۲۷: ۲۰) آنکھ صرف واجب استعمال سے سیر ہوتی ہے۔ محتاج اور مجبُور کی ضرُورت کو نہ دیکھنا۔ بیگانی چیز کو لالچ کی نگاہ سے دیکھنا۔ بدنظری کرنا اور حقارت سے دیکھنا ہی آنکھوں کی خواہش ہے۔

زندگی کی شیخی ا۔

زندگی خُدا کی اوّل برکت اور نعمت ہے۔ زندگی کا مرکز خدا ہے۔ مگر وہ انسان جو بدی میں پیدا ہوا ہے۔ خُدا کی جگہ خودی کو زندگی کا مرکز بنا لیتا ہے۔ خودی سے شیخی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے جسم کی خواہش اور آنکھوں کی خواہش کی جملہ خرابیاں اور بہُت سی اور خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں نفسانی انسان کے لئے ایک لذّت اور لُطف تو ہے۔ مگر یہ لطف زہریلا ہے اور ہلاک کرنے والا ہے۔ بہُت جلد ختم ہو جاتا ہے اور لُطف اُٹھانے والے کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ اس کے برخلاف رسول خدا کی پاک۔ الٰہی اور دائمی مرضی پیش کرتا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے یہ مرضی عمل کرنے والے کو بھی دائمی بنا دیتی ہے اور وہ ہمیشہ تک خدا باپ کی صحبت کا مزہ لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲ : ۱۸ - ۱۹ مخالفِ مسیح کی دھمکی :-

اے لڑکو یہ اخیر وقت ہے اور جیسا تم نے سُنا ہے کہ مخالف
مسیح آنے والا ہے۔ اس کے موافق اب بھی بہت سے مخالفِ
مسیح پیدا ہو گئے ہیں۔ اس سے ہم جان گئے ہیں کہ اخیر وقت
ہے۔ وُہ نکلے تو ہم ہی میں سے مگر ہم میں سے تھے نہیں۔
اس لئے کہ اگر ہم میں سے ہوتے تو ہمارے ساتھ رہتے۔ لیکن
نکل اس لئے گئے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ وُہ سب ہم میں سے نہیں ہیں۔
اِن آیتوں میں رسول یہ بیان کرتا ہے کہ خدا کا معافی اور
نجات کا بندوبست کمال کو پہنچ گیا ہے۔ اور اس کا عمل اور
اثر شروع ہو گیا ہے۔ اب اس کا ردِ عمل بھی شروع ہو گیا
ہے یعنی مخالف رَو چل پڑی ہے۔ اور دونوں میں امتیاز
بھی شروع ہو گیا ہے۔ دُودھ اور پانی الگ الگ ہو رہے
ہیں۔ خُدا خالق ہے وُہ دنیا کی چیزوں کو وجود میں لاتا ہے۔
شیطان خالق نہیں۔ وُہ نقّال ہے اور خدائی کاموں کی نقل
کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خُدا نے تو نوری فرشتے بنائے ہیں۔ اور
شیطان نوری فرشتے تو نہیں بنا سکتا۔ فقط نورانی فرشتے کی
شکل اختیار کرتا ہے۔ مگر اندر خباثت اور پلیدگی ہوتی ہے۔
اسی طرح خُدا تو انسان کو نئی پیدائش دے کر اپنے بیٹے کی صورت
پہ ڈھالتا ہے مگر شیطان نقل کرتا ہے اور نقلی جعلی اور ظاہری

دیندار بناتا ہے جو پھلوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور الگ کر دئے جاتے ہیں۔

"یہ اخیر وقت ہے" یعنی (۱) یہ دُنیا کا آخر ہے (۲) وقت کمال کو پہنچ گیا ہے۔ اور اب کسی اور وقت کا انتظار نہیں۔ زمانے اور واقعات کا کمال بھی مسیح میں ہے۔ مسیح کا ظہور اور مُردوں میں سے زندہ ہو جانا کل واقعات کا کمال ہے۔

چونکہ گنہگار کی توبہ۔ معافی اور نجات کا بندوبست مکمل ہو گیا ہے شیطان بھی ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہا ہے وُہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ آخری کوشش ہے اور کوشش کا آخری وقت ہے۔ (۲ تم ۳: ۱ و ۲ پطرس ۳: ۳ و ۱ پطرس ۱۱: ۵) اسی لئے ایمان داروں کے لئے بھی ایمان کو ابلیس کے حملوں سے بچانے اور محفوظ رکھنے کا آخری موقع ہے۔ یعنی اگر ایمان کو اب بچا لیا تو بس ہمیشہ کی فتح ہے۔

"مخالفِ مسیح":۔

(۱) جو مسیح کی تعلیم کی مخالفت کرتا ہے (۲) جو مسیح کا ذاتی دشمن ہے (۳) جس میں مسیح کی سیرت اور اندرونی خوبیوں کے سراسر خلاف بدسیرت اور بدصفات ہیں۔

"نکل گئے":۔ ہماری قطار اور شمار میں سے نکل کر مخالف صف میں جا ملے۔ وُہ نکالے نہیں گئے۔ بلکہ وہ دینداروں اور ایمانداروں

کی صحبت کی برداشت نہ کر سکے اور خود بخود ہی الگ ہو گئے۔

۲:۲۰-۲۵ "مسیح میں ہمارا مسیح"

خداوند یسوع مسیح نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔اس بپتسمہ سے کیا مراد ہے؟

یوحنا توبہ کا بپتسمہ دے رہا تھا۔مسیح نے یوحنا سے توبہ کا بپتسمہ لیا۔مسیح نے کیوں توبہ کا بپتسمہ لیا۔

متی ۱:۲۱ میں لکھا ہے کہ جبرائیل فرشتہ نے مریم کو کہا کہ تو اُس کا نام یسوع رکھنا۔وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔

متی ۳:۱۴ میں لکھا ہے کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے کہا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں۔وہ جو خود نجات دینے والا تھا۔اس نے کیوں توبہ اور گناہوں کی معافی کا بپتسمہ لیا؟مسیح خداوند گنہگار کا نجات دینے والا اس طرح ہے کہ وہ خدا کی عدالت میں گنہگار کا ضامن بنا۔اب ضامن کی دوہری حیثیت ہوتی ہے۔اپنی ذات کے اعتبار سے وہ بےجرم ہے۔عدالت کی نظر میں بری ہے۔اس کا بےجرم اور بری ہونا ہی اس کے ضامن بننے کی قابلیت ہے۔اور جب وہ کسی مجرم کا ضامن بن گیا تو اس ضمانت کے اعتبار سے وہ بری ہوتا ہوا بھی جوابدہ اور ذمہ دار

ہے۔ مُلزم کی جگہ وہ جوابدہ ہے۔ عدالت اس سے سزائے جرمانہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میاں ضامن یا تو جرمانہ دلاؤ ورنہ خود ادا کرو۔ پس مسیح نے گنہگار کا ضامن بن کر توبہ کا بپتسمہ لیا۔

اس طرح حقیقت میں وہ ہمارا بپتسمہ تھا۔ گویا مسیح میں ہر گنہگار نے وُہ بپتسمہ لیا اور اسی وقت آسمان سے روح کبوتر کی مانند اس پر اترا۔ جو اس بات کی گواہی اور علامت تھی کہ ضامن پاک ہے اس لئے اس کی ضمانت قبول ہے۔ ورنہ زبور ۴۹: ۷ میں اُصول بیان کیا گیا ہے کہ بنی آدم میں سے کوئی اپنے بھائی کا کفارہ نہیں دے سکتا۔ صرف مسیح کو وہ نام بخشا گیا ہے جس سے گناہوں کی معافی اور نجات ہے۔ روح کے نزول کے بعد آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ یہ کہہ کر حاکم عدالت نے باپ کا درجہ اور باپ کی ذمہ داریاں قبول کریں۔ گویا بیٹا تو گنہگاروں کا ضامن بن گیا اور باپ بیٹے کی ضمانت کے باعث ان سب کا باپ بن گیا جن کی پیارے بیٹے نے ضمانت دی تھی۔ گرفتاری کے وقت مسیح ضامن نے کہا کہ ان کو جانے دو اور مجھے پکڑ لو (یوحنا ۱۸: ۸) حالانکہ جب اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ کہ یسوع میں ہوں (یوحنا ۱۸/۹) تو وہ رُعب و جلال کی

تاب نہ لا سکے اور پیچھے گر پڑے۔ یہ تھی اس کی اصل حیثیت۔
توبہ اور بپتسمہ سے گنہگار کا جرم مٹتا اور خطا معاف ہوتی
تھی اور وہ خدا کی حضوری اور قربت کے لئے مخصوص اور
مقدس ہوتا تھا۔ وُہ بپتسمہ اس کا مسح تھا۔ اس سے کل مجرم
ضامن کی (ذاتی اور صفاتی) حیثیت سے دیکھے گئے۔ اور
ممسوح اور مخصوص گردانے گئے اسی لئے یوحنا ۱۷: ۱۹ میں
مسیح خداوند نے کہا۔ کہ میں ان کی خاطر اپنی تقدیس کرتا ہوں۔
یہ تقدیس اور مسح اب ایمان کی شرط پر انسان قبول کرتے
ہیں۔ یہ ہے تو کل انسانوں کے واسطے مگر وہ جو اس کو قبول
کر چکے ہیں انکی مجموعی تعداد کو کلیسیا کہتے ہیں۔ چنانچہ کلیسیا
کو پلوٹھوں کی جماعت کہا گیا ہے (عبرانیوں ۱۲: ۲۳) مسیح اکلوتا
بیٹا ہے اور پہلوٹھا بھی ہے۔ (کلسیوں ۱: ۱۵) اس میں ہو
کر ہر ایمان دار اس ضامن کی حیثیت سے پہلوٹھا بیٹا قرار
دیا جاتا ہے۔ اس طرح مسیح میں ہمارا مسح ہوتا ہے۔ ضامن
کی آزادی اور بریت میں ملزم کی آزادی اور بریت ہوتی
ہے اسی طرح مسیح کے مسح میں ہمارا مسح ہے۔ یہودی مذہب
میں ضامن کو کاہن کہتے تھے۔ کاہن خدا کے سامنے جماعت
کی اور فرد کی دینداری اور شریعت کی تابعداری کا ذمہ دار
ہوتا تھا۔ کاہن کی دینداری فرد اور خاندان اور جماعت

کے حساب میں لگائی جاتی تھی۔ اِسی لئے مسیح کو سردار کاہن یعنی سب سے بڑا کاہن کہا گیا ہے۔ نئے عہد نامہ میں رومی قانون سے ایک اصطلاح لی گئی ہے اور مسیح کو درمیانی کہا گیا ہے مسیح۔ ضامن کاہن اور درمیانی ہے۔ یہ اصطلاح اسٹوئیکی فلسفہ میں استعمال ہوتی تھی۔

۲: ۲۲ مادّی روشنی کی بُنیاد سورج ہے۔ حقیقت اور سچ کی بُنیاد خُدا ہے۔ اور اس کے برعکس غیر حقیقی کی بُنیاد سب سے اوّل حقیقت کا انکار ہے۔ سب سے اول اور افضل حقیقت یسُوع مسیح ہے جو نادیدنی اور غیر مادّی خُدا کا دیدنی اور مادّی ظہُور ہے۔ اس کا انکار تمام غیر حقیقی باتوں کی بُنیاد ہے۔

۲:۲۲۔ مخالف مسیح وہی ہے جو باپ اور بیٹے کا انکار کرتا ہے۔ مسیح کا انکار خُدا کا انکار ہے۔ جو دیکھی بھالی چیز کا انکار کرے گا وہ اندیکھی کا کیوں نہ انکار کرے گا۔ آیت کے اس حصّہ میں ایک ہولناک حقیقت بیان کی گئی ہے۔ کہ خُدا کا اقرار اور خُدا پرستی صرف مسیح میں ہی ممکن ہے۔ اس کے بغیر خُدا کا علم اور خُدا پرستی ناممکن امر ہے۔ اگر کوئی حق کا طالب یہ دعوٰی کرے کہ مَیں خُدا کو جانتا ہوں اور اس پر ایمان رکھتا ہوں مگر مسیح کا انکار کرے تو اس کا دعوےٰ جھوٹا ہے۔

وُہ خُداکو بالکل نہیں جانتا ۔خدا دانی اور خُدا پرستی کا اٹل اصُول یہ ہے کہ خدا صرف مسیح میں جانا اور مانا جاسکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔(متی ۱۱: ۲۷ و یوحنا ۵: ۲۳ و ۱۴: ۶ و ۱۵: ۲۳ ۔) مسیح کا سب سے بڑا مخالف شیطان ہے۔مگر ہر انسان جو مسیح کا انکار کرتا ہے مخالف مسیح ہے ۔

یسُوع کے مسیح ہونے کا انکار:۔

رُسول کے زمانہ میں سرنتھس یہ تعلیم دیتا تھا کہ یسوع محض انسان تھا۔ بپتسمہ کے وقت روح یعنی مسیح اس پر آیا اور اس میں سما گیا۔اور صلیب کے وقت اسے چھوڑ کر الگ ہو گیا۔مسیح نے یسوع کو خُدا کا علم دیا اور معجزوں کی قوت دی۔ اس طرح سرنتھس تجسّم اور کفارہ کا انکار کرتا تھا۔ اور یہ سکھاتا تھا۔کہ اگر کفارہ ہے تو صرف انسان نے دیا ہے خُدا نے نہیں دیا۔گویا گناہ کی معافی کے معاملہ میں انسان کافی ووافی ہے۔خُدا کا محتاج نہیں۔

۴: ۳ میں یہی بات دُہرائی گئی ہے۔

پولوس رسُول نے کرنتھس میں یہی ثابت کیا کہ یسوع ہی مسیح ہے (اعمال ۱۸: ۵)

اعمال ۱۸: ۲۸ وُہ کتاب مقدس سے یسوع کا مسیح ہونا ثابت کرکے بڑے زور شور سے یہودیوں کو علانیہ قائل کرتا رہا۔

اعمال ۱۷: ۳ یہی یسوع جس کی تم کو خبر دیتا ہوں مسیح ہے۔
اعمال ۵: ۴۲۔ وہ اس بات کی خوشخبری سنانے سے کہ یسوع ہی مسیح ہے باز نہ آئے۔
اعمال ۲: ۳۶ خدا نے اسی یسوع کو جسے تم نے مصلوب کیا خداوند بھی کیا اور مسیح بھی کیا۔
۲: ۲۴۔ جو تم نے شروع سے سنا ہے اگر وہی تم میں قائم رہے تو تم بھی بیٹے اور باپ میں قائم رہوگے۔
خدا کا کلام ازلی اور ابدی اور بے تبدیل ہے۔ دنیا کے علموں میں آئے دن اصول اور بیان بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی باتیں غلط ثابت ہو کر بدل جاتی ہیں۔ اور ان کی جگہ نئی باتیں آجاتی ہیں۔ یہ تبدیلی انسانی دماغ کی کمزوری کے سبب آتی ہے۔ مگر خدا کمزور نہیں۔ وہ سب کچھ شروع سے ہی جانتا ہے۔ ہمارا علم تجربے سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی جب کوئی بات ہو چکتی ہے تو ہمکو اس کا علم ہوتا ہے۔ ورنہ ہم بے خبر اور بے علم رہتے ہیں۔ مگر خدا ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ اسکے کلام اٹل ہیں اور اس کا کلام بھی اٹل ہے۔ (متی ۵: ۱۸-۱۷)
آجکل پینٹی کاسٹل گروہ۔ ایس ڈی اے گروہ اور یہوواہ کے گواہ نئی نئی باتیں سکھاتے ہیں اور خدا کے کلام کو بدلتے ہیں۔ اور یوں متی ۵: ۱۷-۱۸ کو جھٹلاتے ہیں۔ ان کے لئے

مکاشفہ ۲۲ : ۱۸ میں لکھا ہے کہ میں ہر ایک آدمی کے آگے جو اس کتاب کی نبوت کی باتیں سُنتا ہے گواہی دیتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی ان میں کچھ بڑھائے تو خُدا اس کتاب میں لکھی ہوئی آفتیں اس پر نازل کرے گا۔

۲ : ۲۴ جو تم نے شروع سے سُنا ہے :۔

جو تعلیم تم کو مسیح کی بشارت دیتے وقت شروع شروع میں دی گئی تھی۔ مثلاً اعمال ۲۰ : ۱۹ تم خود جانتے ہو کہ پہلے ہی دن سے کہ میں نے آسیہ میں قدم رکھا ہر وقت تمہارے ساتھ کس طرح رہا۔ یعنی کمال فروتنی سے آنسو بہا بہا کر اور ان آزمائشوں میں جو یہودیوں کی سازش کے سبب سے مجھ پر واقع ہوئیں خداوند کی خدمت کرتا رہا۔ اور جو جو باتیں تمہارے فائدہ کی تھیں ان کے بیان کرنے اور علانیہ اور گھر گھر سکھانے سے کبھی نہ جھجکا

۲ : ۲۵ ہمیشہ کی زندگی کا وعدہ :۔

خداوند کے وعدوں میں ہمیشہ کی زندگی کا صاف صاف وعدہ کہیں نہیں ملتا۔ مگر آپ کی کل تعلیم کا مُدّعا یہی تھا۔ مثلاً :۔ انجیل یوحنا ۳ : ۱۵ ضرور ہے کہ ابن آدم بھی اونچے پر چڑھایا جائے۔ تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے اس میں ہمیشہ کی زندگی پائے۔ (۳ : ۱۶)

انجیل یوحنا ۴: ۱۴ جو اس پانی میں سے پیئے گا جو مَیں اسے دُونگا اس میں ایک چشمہ بن جائیگا۔ جو ہمیشہ کی زندگی تک جاری رہیگا
انجیل یُوحنّا ۶: ۴۰ میرے باپ کی یہ مرضی ہے کہ جو کوئی بیٹے کو دیکھے اور اس پر ایمان لائے ہمیشہ کی زندگی پائے۔
انجیل یُوحنّا ۱۰: ۱۰ میں آیا ہوں تاکہ وہ زندگی پائیں اور ہمیشہ کی زندگی پائیں۔
۲: ۲۶-۲۹ میں ایک بڑی بھاری روحانی حقیقت کھول دی گئی ہے۔

خط کے شروع سے اب تک رسول اشاروں سے کام لے رہا تھا۔ اب اس نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ میرے اشارے جھوٹی بدعتی تعلیم دینے والوں کی طرف تھے۔ رسول کہتا ہے کہ وہ لوگ تم کو فریب دیتے تھے۔ مگر ان کے جھوٹ اور فریب کا تُم پر اثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تم مسح کئے گئے ہو۔ تُمہاری تقدیس ہو چکی ہے۔ جس سے تم کو کلام اور تعلیم کی وہ نعمت مل چکی ہے جس کے مقابلے میں اور کوئی تعلیم نہیں ٹھہر سکتی۔ اس تعلیم میں کوئی کمی نہیں۔ جس کو پورا کرنے کے لئے کسی اور تعلیم کی ضرورت ہو۔ تُم روح سے مسح کئے گئے ہو۔ جو تُمہاری راہنمائی اور نگہبانی کرتا ہے۔ اور جو اس کی ہدایت قبول کرتا ہے وہ مسیح خداوند کے آنے پر شرمسار نہ ہوگا۔

بلکہ دلیری سے اس کے تختِ عدالت کے روبرو جائیگا کیونکہ خداوند کی راستبازی ایمان دار کے حساب میں لگا دی جاتی ہے۔اور اسے راستبازی کی راہ پر لگا دیا جاتا ہے۔

تیسری فصل

خدا محبت ہے

۳: ۱ ـــ ۱۲

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ کامل محبت سے زندگی کمال کو پہنچتی ہے۔ ہر قسم کی سزا اور خوف خطا کار انسان کو بُرے فعل سے روکتے ہیں۔دل کو صاف نہیں کر سکتے بلکہ اندر ہی اندر سزا پائے ہوئے اور ڈرائے دھمکائے ہوئے انسان کا دل اور طبیعت ضد کے باعث شرارت اور بدی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔اور موقع ملنے پر فوراً کسر پوری کر دیتے ہیں۔مگر خالص محبت خلّاق ہے۔ دِل کو صاف کرتی ہے اور سرشت کو بدل دیتی ہے۔مرّبی کا دل نہیں دکھاتی۔بلکہ اِس میں تحمّل آ جاتا ہے اور بدا طوار کی طبیعت

پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں کامل محبت زندگی پر تعمیر اور آرائش کا کام کرتی ہے۔ دوسرے باب میں وعظ نصیحت کا طریقہ ختم ہو جاتا ہے اور ابرار کی اصل اور کامل حالت کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ رسول کہتا ہے کہ ہم بہکتے اور بھٹکتے نہیں۔ کیونکہ ہم میں خدا باپ کی طبیعت اور سرشت آگئی ہے۔ جو کہ انسانی سرشت اور خصلت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ یہاں تک کہ عام انسان ہم کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ ہم اپنی موجودہ ناکامل حالت میں بھی خدا کے بیٹے ہیں۔ اور خدا کے ارادہ میں آچکا ہے کہ ہم خدا باپ کی مانند بنیں۔ خدا کا ارادہ ہی خدا کا فعل ہے۔ خدا کا ارادہ ضرور پورا ہو گا اور ہم ضرور کامل ہوں گے یعنی خدا کی مانند بنیں گے اور اس خدا کو جسے نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ کوئی فانی انسان اسے دیکھ سکتا ہے ہم اپنی کامل حالت میں دیکھیں گے روبرو دیکھیں گے۔ بے پردہ دیکھیں گے۔ تجسّم میں انسانی بدن کے پردہ میں دیکھا مگر اپنی کامل حالت میں وہ بے پردہ دیکھینگے۔ یہ کمالِ محبّت سے حاصل ہو گا۔ کلام کا اصول اور وعدہ ہے۔ کہ مبارک ہیں وُہ جو پاک دل ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کو دیکھینگے (متی ۵:۸)

یوحنا کا تصوف نرالا اور بلند ہے۔ وُہ انسان کی ذات اور شخصیت کی قدر قائم رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ کامل حالت میں ہماری شخصیت قائم رہے گی۔ خدا میں سما کر گم نہ ہو جائیگی

اہلِ علم یعنی ناسٹک لوگ Gnostics بڑے بڑے دعوے کرتے تھے۔ مگر ان کے دعوے جھوٹے ٹھہرے۔ کیونکہ ان کی زندگی اور سیرت ان کے دعویٰ کے سراسر خلاف تھی۔ ایماندار دعویٰ نہیں کرتا اور ڈینگ نہیں مارتا۔ وہ خدا باپ کے وعدوں پر ایمان رکھتا ہے اور خدا جو راست اور وفادار ہے۔ اپنے پاک وعدے پورے کرتا ہے۔

پہلی تین آیتوں میں ایماندار اور خدا باپ کی کامل موافقت بیان کی ہے اور اس رفاقت کو باپ اور بیٹے کی اصطلاحوں سے ظاہر کیا ہے اور موافقت کی حقیقت کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ بیٹے اور باپ کی موافقت ایسی ہے کہ بیٹا باپ کی مانند بن جاتا ہے۔ بیٹے کی اصل تعریف یہی ہے کہ وہ باپ کی بیرونی اور باطنی سیرت کا مجسمہ ہوتا ہے۔

چوتھی آیت میں خدا سے غیر موافقت بیان کی ہے۔

شرع کے لفظی معنے ہیں صحرا میں راہ۔ شریعت بھولے بھٹکے انسان کے لئے ایک شاہ راہ ہے۔ کلام میں اس کو اونچی کی ہوئی شاہ راہ کہا گیا ہے۔ شریعت خدا کی پاک اور راستی مرضی کا اظہار ہے۔ شریعت کی تعمیل خدا سے موافقت ہے۔

شریعت پر چلنے والے کو خدا نے پرانے عہد نامہ میں خلیل اللہ بھی کہا ہے اور بیٹا بھی کہا ہے۔ ابراہیم کو خلیل اللہ کہا۔ خدا

نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ وُہ خود شریعت پر عمل کریگا اور اپنی اولاد کو شریعت کی پیروی اور پابندی کی تعلیم دیگا (پیدائش ۱۸: ۱۹)
اسرائیل قوم کو بھی بیٹا کہا ہے (خروج ۴: ۲۲) اس لئے نہیں کہ وہ کامل طور پر شریعت کی پابندی کرتے تھے بلکہ اس لئے کہ ان کے پاس شریعت تھی۔
زبور ۸۲: ۶ میں نے کہا تھا کہ تم الہٰ ہو اور تم سب حق تعالےٰ کے فرزند ہو۔
یوحنا ۱۰: ۳۴ میں خداوند نے زبور کی اس آیت کی یوں تشریح کی ہے کہ اسرائیل کو اس لئے الہٰ خدا کے فرزند کہا گیا کہ ان کے پاس خدا کا کلام تھا۔
خلیل اللہ۔ خدا کا بیٹا۔ الہٰ اور خدا کا فرزند ہم معنی لفظ ہیں۔ اور بائبل کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے۔ خدا کی رفاقت پایا ہوا۔ وصال اللہ اور خدا سے کامل موافقت رکھنے والا۔ برخلاف اس کے خدا سے کامل ناموافقت کو گناہ کہا گیا ہے۔ اور یہاں گناہ کی نہایت جامع تعریف کی گئی ہے کہ گناہ شرع کی مخالفت ہے۔ خدا کی شریعت یعنی خدا کی مرضی اور حکم کی مخالفت خدا کی مخالفت بلکہ دشمنی ہے
۳: ۵۔ وُہ اس لئے ظاہر ہوا تاکہ گناہوں کو اٹھا لے جائے اور اس کی ذات میں گناہ نہیں۔
گناہ کی اس جامع تعریف کے لحاظ سے گناہ ایک نفی ہے۔ اور خدا کی ذات مثبت مطلق ہے۔ پس خدا اور گناہ میں

ضد ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ دو ضدیں ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ موجود نہیں ہو سکتیں۔ (اجتماع ضدین محال مطلق ہے) پولس رسول نے یہی بات رومیوں کے چھٹے اور ساتویں باب میں اس طرح بیان کی ہے۔ کہ گناہ کی حکومت انسانی شخصیت میں ہو کر انسانی ذات میں زور دکھاتی تھی۔ خدا نے اسی انسانی شخصیت میں مجسم ہو کر گناہ کی حکومت اور گناہ کے زور کو توڑا اور گناہ کو ہمیشہ کے لئے بے بس کر دیا۔ جس سے ہمیشہ کی زندگی نمایاں ہو گئی۔

انجیل یوحنا ۱:۲۹ دیکھو خدا کا برہ جو جہان کا گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔ گویا یسوع کے جی اٹھنے اور آسمان پر جانے سے وہ گناہ کو اٹھا کر لے گیا۔ ایسا کہ اب ایمانداروں پر گناہ کا اثر اور زور نہیں رہا (رومیوں ۸:۱) ہاں ایماندار سے بھول چوک ہوتی ہے اور بشریت کے باعث خطا سرزد ہو جاتی ہے۔ مگر پاک روح جس سے خدا کے فرزند کا مسح ہوا ہے اس کو قائل اور بیزار کرتا ہے یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کرتا ہے اور خدا باپ اسے معاف کر کے توفیق عطا کرتا ہے جس سے خدا کا ایماندار اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور گناہ پر غالب آتا ہے چنانچہ یوحنا کہتا ہے کہ جو خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا رہتا۔ سچی توبہ

خدا کی طرف سے ایک توفیق ہے۔ (اعمال ۵: ۳۱)
۳: ۶ "جو کوئی گناہ کرتا ہے نہ اس نے اسے دیکھا ہے نہ جانا"۔

اہلِ معرفت Gnosties کا دعویٰ تھا کہ ہم نے خدا کو دیکھا ہے اور جانا ہے۔ رسول اس دعوے کی پڑتال ایک اُصول سے کرتا ہے۔ اُصول یہ ہے کہ خدا پاک ہے۔ اور جو انسان خدا کو دیکھ لیتا اور جان جاتا ہے وُہ گناہ نہیں کرتا۔ خدا اس کو پاک کر دیتا ہے۔ اور وہ پاکیزگی میں ترقی کرتا رہتا ہے یعنی کمال کی طرف بڑھتا جاتا ہے کیونکہ اس کی زندگی کے لئے اصول یہ ہے کہ پاک بنو کیونکہ مَیں پاک ہوں (۱پطرس ۱: ۱۶) اور روح سے معمور ہوتے جاؤ (افسیوں ۵: ۱۸) برخلاف اس کے اہلِ معرفت حضرات کی زندگی پاک نہیں۔ ان کا عقیدہ اور عمل یہ ہے کہ جس قدر زیادہ گناہ کرینگے اسی قدر زیادہ گناہ کے مقابلہ سے نیکی اور پاکیزگی کا علم ہوگا۔ ان ہی حضرات کے عقیدہ کو سامنے رکھ کر پولس رسول نے رومیوں ۶: ۱-۳ میں کہا ہے کہ کیا ہم گناہ کرتے رہیں تاکہ فضل زیادہ ہو؟ ہرگز نہیں۔ ہم جو گناہ کے اعتبار سے مرگئے کیں طرح اس میں آیندہ کو زندگی گذاریں؟ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا۔

۳: ۷ "اے بچو کسی کے فریب میں نہ آنا۔ جو راستبازی کے کام کرتا ہے

وہی اس کی طرح راستباز ہے"۔
یہاں رسول کھلم کھلا جماعت کو اہلِ معرفت Gnostic کے فریب سے بچنے کو کہتا ہے جن کے قول اور فعل میں موافقت نہیں اور ۳: ۶ کا اصول دُہراتا ہے۔
۳: ۸ "جو شخص گناہ کرتا ہے وہ ابلیس سے ہے کیونکہ ابلیس شروع سے ہی گناہ کرتا رہا ہے۔ خُدا کا بیٹا اسی لئے ظاہر ہُوا تھا کہ ابلیس کے کاموں کو مٹائے"۔

یہاں رسول حالات حاضرہ اور واقعات موجودہ سے ایک صحیح نتیجہ نکال کر جماعت کے سامنے پیش کرتا ہے۔ رسول کہتا ہے کہ اس دُنیا میں ایک قسم کی ثنویت ہے۔ یعنی دو مختلف اور متضاد معاملات پائے جاتے ہیں۔ ایک نیکی اور دوسرا بدی۔ نیکی کا سرچشمہ خُدا ہے اور بدی کا بانی ابلیس ہے جس میں بدی کی خصلت ازل سے ہے۔ نیک بندے خُدا کے فرزند ہیں اور بدلوگ ابلیس کی اولاد ہیں (یوحنا ۸: ۴۴)
ابلیس تو انسان کو خُدا کی مرضی اور شریعت کے خلاف ورغلاتا اور اُکساتا ہے۔ اور اسے تھوڑے عرصہ کے لئے کامیابی بھی ہوتی ہے۔ مگر اس کا انجام ہلاکت ہے۔ چنانچہ اسکریوطی ہلاک ہُوا۔ مگر یسوع مسیح اسی لئے ظاہر ہُوا تھا۔ کہ ابلیس کی قوت اور کوشش کو مٹائے۔

اس نیکی اور بدی کی کشمکش میں کوئی انسان غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ ایک نہ ایک طرف شامل ہونا ضرور ہے۔ ایک آدمی یا تو خدا کا فرزند ہوگا یا ابلیس کا۔ تیسری صورت یا فرزندی کا امکان ہی نہیں۔

۳: ۹ "جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں اس کا تخم بنا رہتا ہے بلکہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے"۔

یہاں رسول خدا کے فرزندوں اور ابلیس کے فرزندوں کی پہچان کے لئے قدرت کا ایک اٹل قانون پیش کرتا ہے۔ قانون یہ ہے کہ گیہوں کے دانہ سے گیہوں اور جَو کے دانہ سے جَو ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ محکمۂ آثار قدیمہ نے جب مصر میں فرعون اور یوسف کے وقت کے اناج کے انبار اور گودام کھودے تو ان میں سے گیہوں کے دانے نکلے۔ اور جب وہ بوئے گئے تو نہایت نفیس قسم کی گیہوں کی نسل تیار ہوئی۔

"جو خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا"۔

یونانی گرامر کی ماضیول میں استمرار یعنی متواتر فعل کا مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جس فعل کا ترجمہ "نہیں کرتا" کیا گیا ہے اسی کا ترجمہ "نہیں کرتا رہتا" بھی ہے۔ اور رسول کا بھی یہی مطلب ہے۔ یعنی رسول کہتا ہے کہ جس کو خدائے پاک کی صحبت اور رفاقت

حاصل ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں جب کبھی بشریت غالب آتی ہے اور اس سے بھول چوک اور خطا سرزد ہوتی ہے۔ تو اس کی اندرونی انسانیت اس صدمہ سے جاگ اُٹھتی ہے۔ اور اپنے کئے ہوئے پر نادم ہوتی اور اپنے آپ سے اور اپنی کرتوت سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے اور توبہ کرتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خدا اس کو معاف کرتا ہے اور پھر مضبوط کرتا ہے۔ اور اپنی نزدیکی میں رکھتا ہے۔ خدا پرستی کا غم ایسی توبہ پیدا کرتا ہے جس کا انجام نجات ہے۔ (۲ کرنتھی ۷: ۱۰) اس غم کا مقصد خدا کے فضل کی طرف راغب کرنا ہوتا ہے (۲ تم ۳: ۱۵) چنانچہ لکھا ہے کہ صادق سات بار گرتا ہے۔ مگر پھر کھڑا ہوتا ہے۔ لیکن شریر گرتا ہے تو پڑا ہی رہتا ہے۔ (امثال ۲۴: ۱۶)

کیونکہ جس صورت میں اس نے خود ہی آزمائش کی حالت میں دکھ اٹھایا تو وہ ان کی بھی مدد کر سکتا ہے جن کی آزمائش ہوتی ہے (عبرانیوں ۲: ۱۸)

جس انسان کے اندر نئی انسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں بدی کی ضرورت نہیں رہتی صرف امکان رہتا ہے۔ روحانی زندگی میں انسان یک بیک کمال نہیں حاصل کرتا۔ بلکہ درجہ بدرجہ قوت حاصل کرتا ہے۔ (۲ کرنتھی ۳: ۱۸ وافسی ۳: ۱۶ وکلسیوں

۱:۱۰-۱۱ و ۱ پطرس ۲:۲) اور رفتہ رفتہ کمال کو پہنچتا ہے۔انہیں ۴:۱۳ و ۱ کرنتی ۳:۲ و عبرانی ۵:۱۳-۱۴ و ۶:۱) اس لئے گو اس کے اندر گناہ کا تخم موجود نہیں ہوتا مگر جب باہر سے گناہ کا زبردست اچانک حملہ ہوتا ہے جس کے مقابلہ کی اُس میں باطنی کمزوری یعنی نا قابلیت کے سبب طاقت نہیں ہوتی تو اس کا گر جانا ممکن ہوتا ہے (ایوحنا ۲:۱) اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک تندرست بچہ ٹھوکر سے گر جاتا ہے۔ مگر گرا نہیں رہتا۔ بلکہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور یوں کئی بار گرتا اور اُٹھتا ہے۔ یہ گرنا اور اُٹھنا اس کے لئے ورزش کا کام دیتا ہے اور اس کو مضبوط کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ پھر ان ٹھوکروں سے نہیں گرتا۔ برخلاف اس کے ایک آدمی جس کی جسمانی قوت کسی اندرونی بیماری کے سبب جاتی رہتی ہے وہ ٹھوکر کے بغیر ہی گر پڑتا ہے۔ اور اس میں اُٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یوں بار بار گرنے سے اس کی باطنی کمزوری بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ گر کر اُٹھنے کے قابل نہیں رہتا۔ (۲ پطرس ۲:۲۲) اسی طرح وہ جو خدا سے پیدا ہوا ہے یعنی نوزاد جب آزمائش میں گرتا ہے۔ تو وہ طبعی طور پر اس حالت میں خوش نہیں رہتا۔ (زبور ۳۲:۳ و ۳۸:۳ -

۲ : ۱۰۔ جو اپنے بھائی سے محبت نہیں رکھتا وہ خدا سے نہیں۔
۵ : ۲۔ جو والد سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے۔
۳ : ۱۱۔ جو پیغام تم نے شروع سے سُنا وہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔

رسول یاد دلاتا ہے کہ شروع میں ہی تم کو انجیل کا یہ سبق اور پیغام دیا گیا تھا۔ کہ ایک دوسرے کو پیار کرو۔ مسیح خداوند کی صلیب اور قربانی کامل اور بے غرض محبت کا سبق دیتی ہے۔ رسول کے آخری لفظ ہی یہ تھے کہ اے بچو ایک دوسرے سے محبت رکھو۔

یہاں بھائی سے مراد ایمان دار لوگ ہیں۔ تاہم اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم غیروں سے محبت نہ رکھیں۔ محبت کے بارے میں بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو (متی ۵ : ۴۴)۔

۳ : ۱۲ قائن کی مثال دی گئی ہے جس میں بھائی کی محبت نہ تھی۔ کہنے کو اہل معرفت Gnostics کی طرح وہ خدا پرست تھا اور قربانیاں پیش کرتا تھا۔ مگر اس کے عقیدے اور عمل میں اختلاف تھا۔ ہمارا یہ حال نہیں ہونا چاہئے۔ جو ہمارا عقیدہ ہو۔ وہی ہمارا عمل ہونا چاہئے۔

متی ۵: ۲۱-۲۲ میں خداوند نے محبت نہ رکھنے یعنی خون اور قتل کی یوں تشریح کی ہے کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہیگا صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو اس کو احمق کہیگا وہ جہنم کا سزاوار ہوگا ۔ پرانے عہد نامہ میں قتل کے فعل کو خون کہا گیا ۔ مگر نئے عہدنامہ میں قتل اور نقصان کی نیت کو خون کہا گیا ہے ۔ وہ بدنیت جو کمزوری یا سزا کے خوف سے پوری نہیں ہوتی خون کے فعل کے برابر ہے ۔

جب کبھی بدنیت قائن اپنے بھولے بھالے خدا ترس بھائی کو دیکھتا تھا اور اس کی ترقی اور قدر معلوم کرتا تھا اس کے اندر حسد کی آگ بھڑک اٹھتی تھی ۔ اسے اپنی کمتری دکھائی دیتی تھی ۔ گویا ہابل کی زندگی کی روشنی میں قائن کو اپنی زندگی کے عیب اور داغ نظر آتے تھے ۔ دیکھنے والے دونوں بھائیوں کی زندگی اور سیرت کا مقابلہ کرتے تھے اور قائن خود بھی مقابلہ کرتا رہتا تھا ۔ اس مقابلے میں اس کی آنکھیں جھک جاتی تھیں ۔ اور کمتری کا احساس پیدا ہوتا تھا ۔ جس طرح چور اور عیار روشنی سے بھاگتا ہے اور دیا بجھا دیتا ہے ۔ اسی طرح قائن نے وہ دیا بجھا دیا جس کی روشنی میں اس کی برائی نمایاں ہو جاتی تھی ۔

شیطان خدا کی پاک حضوری سے نکالا ہوا ہے۔ وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اب کوئی دوسرا اس کی جگہ خدا کی حضوری میں داخل ہو جائے اور وہ دیکھتا ہی رہ جائے۔ اِس لئے وہ اس انسان کو جو خدا کی نزدیکی کا ارادہ کرتا ہے بہکا دیتا ہے یا مروا دیتا ہے۔

۳: ۱۳ سے ۳: ۲۴۔ خدا کی محبت کا نتیجہ یعنی بھائیوں کی محبت خدا کے کلام میں انصاف ہے۔ یعنی دو ٹوک فیصلہ ہے۔ اسی کو ثنویت (Dualism) کہا گیا ہے۔ محبت کے مقابلہ میں عداوت ہے۔ روشنی کے مقابلہ میں اندھیرا ہے۔ زندگی کے مقابلہ میں موت ہے۔ اور انسانوں کی تقسیم میں خدا کے فرزندوں کے مقابلہ میں شیطان کے فرزند ہیں۔

اس تقسیم کی دو حالتوں یا دو قسم کے انسانوں میں زمین اور آسمان کی دوری ہے۔ اس دوری کے باعث اندھیرے والے۔ جو محبت سے خالی ہیں۔ اور ابلیس کے فرزند ہیں روشنی والوں کو جو محبت کرتے ہیں اور خدا کے فرزند ہیں نہیں جان سکتے۔ ان کو خدا کے فرزندوں کی موجودہ حالت کا تجربہ نہیں۔ مگر خدا کے فرزند ابلیس کے فرزندوں کی حالت اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسی حالت میں سے نکل کر آئے ہیں۔ اور اس حالت کا ذاتی تجربہ رکھتے ہیں۔ خدا کے فرزندوں

کے دل میں ابلیس کے فرزندوں کے لئے ہمدردی اور محبت ہے۔ مگر ابلیس کے فرزندوں کے دل میں سب کے لئے عداوت اور دُوری ہے۔ اسی لئے رسول ۳: ۱۳ میں کہتا ہے کہ اے بھائیو اگر دُنیا تم سے عداوت رکھتی ہے تو تعجب نہ کرو۔ یعنی اگر دُنیا کا سردار اور اس سردار کے سپاہی تم سے محبّت نہیں کرتے تو حیرت کی بات نہیں کیونکہ (۱) ان سے محبّت اور وفا کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے (۲) ان کی سرشت میں محبت نہیں۔ یہاں تک کہ وہ آپس میں بھی محبت نہیں رکھتے (۳) وہ تمہاری موجودہ سکون اور اطمینان کی حالت کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دیکھئے یوحنا ۱۵: ۱۸-۲۱ و ۱۶: ۱۱ ۳ یعقوب ۴: ۴ دُنیا نے سب سے بڑھ کر خدا کے فرزندوں کو جنہیں رسول بھائی کہتا ہے ستایا ہے اور ان سے عداوت کی ہے۔ دیکھئے ۱ کرنتھی ۴: ۹-۱۳ و رومیوں ۸: ۳۶ و عبرانیوں ۱۰: ۳۲-۳۴ و ۲ کرنتھی ۴: ۹-۱۱ (یہ حوالے انجیل میں ضرور دیکھئے۔ جگہ کی تنگی کے باعث نقل نہیں کئے گئے)

اعمال کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں ہر ایماندار کو بھائی کہتے تھے۔ اعمال ۱: ۱۶ و ۲: ۲۹ و ۳۷ و ۳: ۱۷ و ۶: ۳ و ۷: ۲ و ۹: ۳۰

۳: ۱۳ میں بچو کی جگہ لفظ بھائیو آیا ہے جو کلیسیائی نظام میں ہمارے

شاگرد اور بچے ہیں مسیح میں بھائی ہیں۔
۱۴:۳ میں رسول کہتا ہے۔ کہ ان کی عداوت اس حقیقت کی دلیل ہے کہ ہم موت سے نکل کر زندگی میں آ گئے ہیں۔ موت اور زندگی میں میل جول نا ممکن ہے۔ اس لئے ان کی عداوت تعجب کی بات نہیں۔ یہ تو ایک کلیتہ قاعدہ ہے کہ زندگی اور موت ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ جہاں ایک موجود ہوگی دوسری غائب اور غیر موجود ہوگی۔
ایمان دار بے ایمانوں سے دو طریق پر الگ ہیں (۱) طبعی طور پر یعنی سیرت اور طبیعت کے لحاظ سے۔ (۲) خدا نے ایمانداروں کو چن کر علیحدہ کر لیا ہے اور ان کو کلیسیا یعنی الگ کئے ہوئے لوگ کہا ہے۔
۱۴:۳-۱۶ میں زندگی اور محبت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ عداوت سے دو تین قسم کا قتل پیدا ہوتا ہے (۱) خودکشی۔ محبت کی صفت کھو دینا خودکشی ہے (۲) جس سے عداوت ہے اس کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ قتل ہو جاتا ہے۔ (۳) ان دونوں کا نتیجہ بدخواہی اور انجام کار قتل ہوتا ہے۔
۱۶:۳۔ ہم نے محبت کو اسی سے جانا ہے کہ اس نے ہمارے واسطے اپنی جان دے دی اور ہم پر بھی بھائیوں کے واسطے جان دینا فرض۔ محبت کا علم اور عمل یسوع مسیح سے ہوا ہے۔ رسول کے یہ الفاظ

غور طلب ہیں کہ ہم نے محبّت کو اسی سے جانا۔ یعنی دنیا نے محبت کے علم کے کئی طریقے جاری کئے اور برتے ہیں۔ مگر ان سب میں خودی اور خود غرضی ہے۔ مثلاً ماں باپ اولاد کو اور خاص کر بیٹے کو محبت کرتے ہیں۔ یہ محبت بیٹے کی خاطر نہیں ہوتی بلکہ اپنی ہی خاطر ہوتی ہے۔ ماں باپ بیٹے سے اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا نام اور ہماری یاد جاری اور زندہ رہے گا اور دشمنوں کے خلاف ہمارا مددگار ہوگا۔ کام کاج میں ہاتھ بٹائیگا۔ اسی طرح دوستوں کی محبّت خودغرضی کی محبّت ہوتی ہے۔ گہری سے گہری محبّت کی تہ میں ذاتی غرض چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ خودغرضی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب ایک دوست اپنی لاعلمی۔ کمزوری یا تنگدستی کے باعث دوسرے دوست کی مرضی کے مطابق اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ ایسی دوستی اور مروّت کے سب اصُول دھرے رہ جاتے ہیں۔ ناراضگی۔ انتقام اور بگاڑ کی روح نمایاں ہوجاتی ہے۔ اسی طرح ہر تعلق رشتہ اور محبّت کی تہ میں اپنی غرض اور اپنا مطلب ہوتا ہے۔
مسیح کی محبت اس کی اپنی غرض اور مطلب کے لئے نہ تھی۔ اس کی محبت انسان کے لئے تھی۔ اس محب کی محبّت محبوب کے لئے تھی۔ ذاتی نُقصان اور خسارہ سے اس نے محبت دکھائی۔ اس نے محبّت کا صحیح مفہوم اور اصُول انسان کو سکھایا ہے۔ حقیقی محبّت وُہ ہے جس میں قربانی اور ایثار ہو۔ حقیقی خدمت

بھی وہ ہے جس میں پلے سے کچھ خرچ ہو اور کچھ خسارہ اُٹھانا پڑے۔
"اس نے ہمارے واسطے اپنی جان دیدی"۔

اس سے محض موت مراد نہیں۔ اس لئے کہ جو خود زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا وہ زندوں کی کیا مدد کر سکتا ہے وہ تو بعد چار بھائیوں کے واسطے کندھے کا بوجھ بن گیا۔ پس اس جملے کے یہ معنے ہیں کہ اس نے ہم کو اپنی زندگی دی۔ اس سے دو باتیں مراد ہیں۔ (۱) ہماری فانی یعنی ختم ہو جانے والی زندگی کی جگہ ہم کو اپنی سی ختم نہ ہونے والی اور امر زندگی بخش دی (۲) ہماری کمزور اور ناقص رُوح اور سیرت یعنی اندرونی زندگی کی جگہ ہم کو اپنی روح اور سیرت بخش دی۔

مسیح کے اسی فعل کو انجیل میں اس کا خالی ہو جانا کہا گیا ہے۔ (فلپیوں ۲: ۷) یہ محاورہ ہم ایسے موقعوں پر استعمال کرتے ہیں۔ جب کوئی چیز اس کے اصل مقام اور ماحول سے علیحدہ کرتے ہیں۔ یہ ہمارا محاورہ ہے۔ جو ہم نے خدا کے لئے استعمال کیا ہے۔ جب چشمہ سے دریا بہتا ہے تو ہم کہتے ہیں۔ کہ دریا چشمے سے نکلتا ہے۔ حالانکہ دریا نکلتا نہیں۔ چشمے سے ملا ہی رہتا ہے اور نہ ہی چشمہ خالی ہوتا ہے۔ ہماری زبان کمزور اور ناقص ہے۔ جب دریا چشمہ سے جُدا نہیں ہوتا اور دریا کے بہنے سے چشمہ خالی نہیں ہوتا تو مسیح اپنی سیرت اور روح

محتاج انسانوں کو دے کر کس طرح خالی ہو گیا اور کیسے خدا سے الگ ہو گیا۔ یہ محاورے مسیح کی بے حد محبت ظاہر کرنے کیواسطے استعمال کئے گئے ہیں۔

چشمے سے بہ نکلنے سے دریا کا رشتہ چشمہ سے مضبوط ہو گیا۔ پیوستگی بڑھ گئی۔ ورنہ دریا بہ نہ سکے اور نہ ہی بنجر زمینوں کو شاداب اور سیراب کر سکے۔ دریا کی تو گویا چشمے میں جڑ قائم ہوتی ہے۔ مگر ہم اس کے لئے لفظ نکلنا استعمال کرتے ہیں۔ ع

رنگی کو نارنگی کہیں بنے دُودھ کو کھویا۔ چلتی کو یہ گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

لفظ نکلنا سے مراد ہے ذاتی خسارہ اور نقصان یعنی قربانی اور ایثار۔

مسیح کی موت سے بھی یہی مراد ہے کہ اس نے انتہا درجہ کی محبت دکھائی ہے اور اپنے آپ کو خرچ گویا ختم کر دیا ہے۔ لیکن اگر مسیح مر گیا اور ختم ہو گیا تو آج وہ ہمارے کس کام کا ہے۔

مرنا فانی انسان کا خاصہ ہے۔ تمام انسان مرتے ہیں۔ یعنی فانی ہیں۔ مسیح مر گیا۔ مرنے سے مسیح کامل انسان ثابت ہو گیا اور ازلیت وابدیت خدا کا خاصہ ہے۔ مسیح مر کر جی اُٹھا۔ جی اُٹھنے یعنی ازلی زندگی کے اعتبار سے مسیح خدا ثابت ہو گیا یہ مسیح جو کامل انسان اور کامل خدا ہے ہر ایمان دار کو اپنی

سی انسانی زندگی اور خدائی سیرت بخشتا ہے۔ جس سے ایماندار انسان بنتا اور کامل ہوتا ہے۔ مگر اس بخشش اور عطا سے مسیح میں کمی خامی اور خسارہ نہیں آتا۔

مسیح کی زندگی معیاری یعنی نمونے کی زندگی ہے۔ مسیح کا ہر فعل بھی معیاری ہے۔ اور ہمارے لئے نمونہ ہے کہ جس طرح وہ محبت کرتا ہے اور اپنی زندگی اور سیرت میں سے دیتا ہے اسی طرح ہمارے واسطے لازمی ہے کہ جو کچھ ہم نے مسیح سے مفت پایا ہے محتاجوں اور طالبوں کو اس میں شریک کریں۔ اس سے ہماری میراث میں کمی نہ ہوگی بلکہ بانٹنے سے بڑھتی رہے گی۔ جس طرح شاگردوں کو علم دینے سے استاد کا علم ختم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا رہتا ہے۔ اسی طرح جب ایماندار محبت کے محتاجوں اور طالبوں کو محبت دیتا ہے۔ اور روحانی نعمتوں میں ان کو شریک کرتا ہے تو اس کی محبت اور روحانی نعمتوں اور فضل اور ایمان میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔ پس باندہ لوگ مسیح کی خالص محبت کے محتاج ہیں۔

ہم نے محبت کو اسی سے جانا ہے:۔

جس یونانی لفظ کا ترجمہ جانا گیا ہے اس کے معنی ہیں ذاتی تجربے سے علم حاصل کرنا۔ گویا ایمانداروں کو اندرونی طریق

پر خُدا کی محبت کا تجربہ ہو جاتا ہے۔ جس سے اسے (۱) محبت کا علم ہوتا ہے اور (۲) محبت کا عمل یعنی استعمال آتا ہے۔ چنانچہ محبت مروت اور ہمدردی کی تمام تحریکیں اور تنظیمیں من عیسوی میں شروع ہوئی ہیں۔ اور ان کے شروع کرنے والے مسیح کے ایماندار بندے تھے۔ انسان کی انفرادیت اور شخصیت کی قدر کلیسیا میں پہچانی گئی۔ آج یہ قدر مغرب سے مشرق میں آئی ہے اور کرشمے دکھا رہی ہے۔ رفاہِ عام یعنی سب کے فائدے کے کام جاری ہو رہے ہیں۔ "گاؤں گاؤں میں سکول کھل رہے ہیں۔ بجلی آ رہی ہے۔ نہریں بہ رہی ہیں۔ سڑکیں تیار ہو رہی ہیں۔ ہسپتال قائم ہو رہے ہیں۔ چھوت چھات جا رہی ہے۔ یعنی شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں۔ ہوائی جہاز۔ تیز رفتار بحری جہاز اور ریڈیو نے دنیا کے کونوں یعنی چار کونوں کو ایک دوسرے کے نزدیک کر دیا ہے اور ان کے رہنے والوں کو ایک دوسرے کے پڑوسی بنا دیا ہے۔ اب کوئی ملک بھوک اور کال سے نہیں مر سکتا۔ دنیا کی حدوں تک ریڈیو کے ذریعہ سے خبر جا سکتی ہے اور ہوائی جہاز سے فوراً ہی خوراک کا سامان پہنچ سکتا ہے

جو لوگ مسیح پر ایمان نہیں رکھتے مسیح کو کل دُنیا کا خالق اور

ضامن ہونے کے سبب ان پر بھی ادھیکار ہے۔ اور وہ نادانستہ طور پر مسیح کے نمونہ پر ڈھلتے چلے جا رہے ہیں۔ مسیح راہ ہے۔ ہ راہ این است رَو از طریقت مناسب۔ اس دُنیا کے ہر بھولے بھٹکے مسافر کو انجام کار اسی راہ پہ آنا ضرور ہے۔ اور دنیا آہستہ آہستہ اس راہ پہ چلی آ رہی ہے۔ اس کا نمونہ پکڑ رہی ہے۔ اور اسی قبلہ کی طرف رُخ کئے ہُوئے ہے۔

۲:۱۷-۱۸ میں محبّت کے عمل اور اظہار کا طریقہ بتا دیا ہے۔

(۱) اپنے مال اور زندگی کے سامان میں بھائیوں کو شریک کرنا۔ خُدا نے کائنات میں۔ انسان کی فطرت میں اور سماجی زندگی میں بانٹ کر کھانے اور برتنے کے اصول کو ترجیح دی ہے اور اسے بُنیادی اُصول ٹھہرایا ہے۔ کوئی انسان سماج سے الگ تھلگ رہ کر کامیابی اور خوشی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ آج کل محکمہ زراعت والے یہ مقولہ سکھاتے ہیں کہ "ڈب کے واہ تے رج کے کھا"۔ اس مقولہ سے مشقت میں پسینہ بہانے کا عمدہ اُصول سکھایا ہے۔ مگر اس میں خود غرضی پائی جاتی ہے۔ اس مقولہ کا نتیجہ ہے کہ کوئی تو اتنا کھا لیتا ہے۔ کہ بدہضمی ہو جاتی ہے اور کوئی بھوکوں مرتا ہے۔ بائبل کا اُصول یہ ہے کہ "ڈب کے واہ تے ونڈ کے کھا"

ایسی خود غرضی سے محبت کے مر جانے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ رسول کہتا ہے کہ اگر کسی کے پاس دنیا کا مال ہو اور وہ اپنے بھائی کو محتاج دیکھ کر رحم کرنے میں دریغ کرے تو اس میں خدا کی محبت کس طرح قائم رہ سکتی ہے۔ بانٹ کھانے سے محبت ظاہر ہوتی رہے گی اور بڑھتی بھی رہے گی۔

یعقوب ۲: ۱۵-۱۶۔ اگر کوئی بھائی یا بہن تنگی میں ہو اور ان کو روزانہ روٹی کی کمی ہو۔ اور تم میں سے کوئی کہے کہ سلامتی کے ساتھ جاؤ، گرم اور سیر رہو۔ مگر جو چیزیں تن کے لئے درکار ہیں۔ وہ انہیں نہ دے تو کیا فائدہ۔

جب مسیح نے نادان دولت مند جوان کو کہا کہ جا جو کچھ تیرا ہے بیچ کر غریبوں کو بانٹ دے اور پھر آکر میرے پیچھے ہولے تو تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا (لوقا ۱۸: ۲۳) تو مسیح کا یہی مطلب تھا کہ تو زندگی کا سچا اصول تو جانتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا۔ بس اسی ایک بات کی تجھ میں کمی ہے۔

جس فریسی کو کہا تھا کہ تو خدا کی بادشاہت سے دور نہیں۔ (مرقس ۱۲: ۳۴) اس میں بھی یہی کسر تھی۔ کہ وہ حکموں کو جانتا تو تھا۔ مگر ان پر عمل نہ کرتا تھا۔

اس سے خداوند کا مطلب گداگری سکھانا اور بھیک مانگنے کی تعلیم دینا نہ تھا۔ پولوس رسول نے کہا ہے کہ جو محنت نہ کرے

وہ روٹی بھی نہ کھائے۔ (۲ تھسل ۳: ۱۰) ہر شخص کو ہاتھوں سے مشقت کر کے کمانے اور محتاج کی مدد کی ہدایت کی گئی ہے ۔

(افسیوں ۴: ۲۸)

محتاج وہ ہے جو بیماری اور کمزوری کے باعث روٹی نہیں کما سکتا۔ یا جسے کال اور وبا اور بارش کی کمی نے محتاج بنا دیا ہے یا جو باوجود محنت اور مشقت کے کافی نہیں کما سکا۔ اور خاندان کی ساری ضرورتیں پوری نہیں کر سکا۔

(۲) محتاجوں سے محبت اور ہمدردی کی باتیں کہنا اور کہنے کے مطابق عمل کرنا یہی سچی محبت ہے۔ اس میں سچائی ہے۔ خالص اور بے عیب دینداری یہ ہے کہ بیوہ اور یتیموں کی مصیبت کے وقت خبر لیں۔ (یعقوب ۱: ۲۷)

۳: ۱۹-۲۴۔ میں رسول بتاتا ہوں۔ کہ ایسی محبت اس بات کی پکی دلیل ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔

۳: ۱۹۔ اگر ہم کلام سے اور عمل سے بھائیوں کے ساتھ محبت کریں گے تو خدا کے روبرو ہماری دلجمعی ہوگی۔

"ہم حق سے ہیں"

انجیل یوحنا ۱۸: ۳۷ (مسیح نے کہا) جو کوئی حق سے ہے میری آواز سنتا ہے۔

۳: ۱۹۔ جس بات میں ہمارا دل ہمیں الزام دیگا۔ اس کے بارے

میں ہم اس کے حضور اپنی دلجمعی کرینگے۔
ایمان دار کی زندگی میں بعض دفعہ ایسا موقعہ آتا ہے کہ اسکی غفلتیں گناہ۔ ناشکراپن اور بھول چوک جمع ہوکر سیاہ بادل کی طرح اس کے دل و دماغ پر چھا جاتی ہیں۔ دل میں مایوسی اور ناامیدی پیدا ہوجاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں خدا سے بہت دور ہوں اور میری بخشش اور نجات کی کوئی اُمید نہیں۔ میں سیدھی راہ سے گمراہ ہوں۔ بھٹک گیا ہوں۔ اور رستہ سے بہت دور نکل گیا ہوں۔ دل کہتا ہے کہ بس تیری تمام شد۔ سب اُمیدیں کِرکری ہو گئی ہیں۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ بس بیٹھ کر ہاتھ مو۔ تمہاری بخشش ناممکن ہے۔ خُدا تم سے ناراض ہے تم سے دور۔ تم میں بھائیوں کی محبت نہیں۔
رسول کہتا ہے کہ ہمارا منصف خُدا ہے نہ کہ ہمارا دل۔ انسان معیار نہیں۔ خدا معیار ہے Man is not the measure of all things

خدا راستی سے عدالت کرتا ہے۔ وہ ہمارے

دل کی کیفیت سے واقف ہے۔
۳:۲۰ خُدا ہمارے دل سے بڑا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔
ہمارا دل حیلے باز ہے وہ ہم کو دھوکہ دیتا ہے۔ مگر ہم اپنی زندگی خُدا کے روبرو رکھیں گے اور کہیں گے کہ اے خُدا تونے مجھے جانچ لیا اور پہچان لیا۔ تو میرا اُٹھنا بیٹھنا جانتا ہے۔ تو

میرے خیال کو دُور سے سمجھ لیتا ہے۔ (زبور ۱۳۹: ۱-۲)
اے خدا تو مجھے جانچ اور میرے دل کو آزما (زبور ۱۳۹: ۲۳)
اے خدا میرا حال تیرے سامنے کھلا ہے۔ اگر میرے اندر بھائیوں کی محبت ہے۔ خواہ ناکامل ہی ہے تو بھی میرے دل کو ڈھارس ہو جائے گی۔
انجیل یوحنا ۱۳: ۳۵۔ اگر آپس میں محبت رکھو گے تو اس سے سب لوگ جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔
فلپیوں ۱: ۶ مجھے اس بات کا بھروسہ ہے کہ جس نے تم میں نیک کام شروع کیا ہے۔ وہ اسے یسوع مسیح کے دن تک پورا کرے گا۔
اگر میرے اندر ذرا سی بھی بھائیوں کی محبت ہے تو گو میرا دل مجھے نا اُمید کرے تو بھی مَیں ہراساں نہ ہُونگا۔ خدا اس ذرا سی محبت کو کامل کر دے گا۔
ایماندار کی آزمائش اور رگراوٹ کے لئے مایُوسی اور نااُمیدی شیطان کا آخری ہتھیار ہے۔
۳: ۲۱۔ جب ہمارا دل ہمیں الزام نہیں دیتا تو ہمیں خدا کے سامنے دلیری ہو جاتی ہے۔

جب ہمارے دل میں یہ یقین قائم ہوتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں اور خدا ہمارا باپ ہے تو ہم اس کے حضور بیٹھے

کی محبت اور جرأت سے آتے ہیں۔ ہم کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ہماری کسر اپنے فضل سے پوری کر دے گا۔

۳: ۲۲۔ اور جو کچھ ہم اس سے مانگتے ہیں ہمیں اس کی طرف سے ملتا ہے کیونکہ ہم اس کے حکموں پہ عمل کرتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ پسند کرتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔

جب ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے اور ہم کو باپ کی طرح پیار کرتا ہے۔ تو ہم میں بیٹے کا یقین اور دلیری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جرأت سے اس کے فضل کے تخت کے سامنے جاتے ہیں۔ اور وہ جو ہمارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ ہم کن چیزوں کے محتاج ہیں (متی ۶: ۸) بڑی فیاضی سے ہماری محتاجی دُور کرتا ہے۔ اور اپنی معموری میں سے معموری عطا کرتا ہے۔

دُعا کا اصول خدا باپ کی محبت پہ ہے۔ ہم خالق۔ مالک اور رازق خدا سے دُعا نہیں کرتے۔ ہم باپ خدا سے دُعا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہماری دُعا اس طرح شروع ہوتی ہے کہ "اے ہمارے باپ"۔

جب ہم دلیری سے اس کے فضل کے تخت کے رو برو جاتے ہیں۔ تو اس کا مبارک چہرہ دیکھتے ہیں اور دُعا کے یہی معنی ہیں اور دعا سے یہی مراد ہے یعنی خدا کا درشن کرنا۔

۲ تواریخ ۷: ۱۴۔ اگر میرے لوگ جو میرے نام سے کہلاتے ہیں۔ خاکسار بن کر دُعا کریں اور میرے دیدار کے طالب ہوں اور اپنی بُری راہوں سے پھریں تو میں آسمان پر سے سُن کر ان کا گناہ معاف کروں گا۔

پرانے عہد نامہ کے بادشاہوں کا دستور تھا کہ جب کسی درباری سے ناراض ہو جاتے تھے تو اسے اپنی حضوری سے نکال دیتے تھے اور حکم صادر کرتے تھے کہ تو میرا چہرہ دیکھنے نہ پائیگا۔ مگر بیٹا باپ کا چہرہ دیکھنے سے نہیں رُک سکتا۔ وُہ نہ صرف باپ کا چہرہ دیکھتا ہے بلکہ باپ کے چہرہ کی شبیہ حاصل کرتا ہے۔ اس کا چہرہ باپ کے چہرہ کی مانند بن جاتا ہے۔

ہم اپنی بشری کمزوری کی وجہ سے اور چیزوں کے پسند کرنے اور چُننے میں اور ضروری اور غیر ضروری میں امتیاز نہ رکھنے کے باعث اکثر باپ سے وُہ کچھ مانگتے ہیں۔ جو ہم چاہتے ہیں What we wish مگر خُدا جو ہمارے دل سے بڑا ہے ہم کو وہ کچھ عطا کرتا ہے جس کے ہم محتاج ہوتے ہیں۔ What we need

عہ حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب معاش
آنچہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

راستباز کی دعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ (یعقوب ۵:۱۶)
تابعدار بیٹا باپ کی جائیداد اور میراث کا حقدار ہوتا ہے۔ رسول کہتا ہے کہ خدا ہمیں اس لئے دیتا ہے کہ ہم اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم مانگتے ہیں ہمیں اس لئے ملتا ہے کہ ہماری ضرورت اس کی ضرورت بن جاتی ہے۔ جیسے ایک مکان بنانے والا مستری مالک کی تجویز اور پلان کے مطابق مکان بناتے وقت مالک سے ضروری سامان طلب کرتا ہے اور حاصل کرتا ہے اسی طرح خدا کا تابعدار فرزند جس نے اپنی زندگی اور مرضی یہ کہہ کر باپ کے سپرد کر رکھی ہے۔ کہ میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو جب اپنی کسر اور محتاجی بیان کر کے باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کے لئے کچھ مانگتا ہے تو باپ دیتا ہے۔
اگلی آیت میں اس کا حکم بتایا گیا ہے۔
۳:۲۳۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ہم اس کے بیٹے یسوع مسیح کے نام پر ایمان لائیں اور آپس میں محبت رکھیں۔
حکم ایک ہے۔ جس میں دو باتیں شامل ہیں (۱) ایمان اور (۲) محبت۔ خدا کے بیٹوں کی یہی دو نشانیاں ہیں۔
۳:۲۴۔ جو اس کے حکموں پر عمل کرتا ہے وہ اس میں اور یہ اس میں قائم رہتا ہے۔ اسی سے یعنی اس روح سے جو

اس نے ہمیں دیا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ہم میں قائم رہتا ہے۔
خدا کے حکموں کی تعمیل گویا خدا کے ساتھ کمل موافقت ہے۔
جو بیٹا باپ کے حکموں کی تعمیل کرتا ہے۔ باپ کی اور اس
کی مرضی اور نیّت ایک ہوتی ہے۔ اس کے لئے رسول نے لفظ
قائم رہنا استعمال کیا ہے۔
خدا اور ایمان دار کی یگانگت اخلاقی اور رُوحانی یگانگت
ہے:۔
ویدانت کی وحدت جسے سے یُگیہ Sayugya یعنی جذب
Absorption کہتے ہیں مسیحی یگانگت سے مختلف ہے۔ جس
میں ایمان دار کی شخصیت اور انفرادیّت قائم رہتی ہے۔ اور
یگانگت سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ ترقی کرتی ہے۔
ویدانت کی یگانگت (اہم برہم اسمی) سنجوگ دشن Profound meditation
سے پیدا ہوتی ہے۔
خدا روح ہے۔ رُوح ایمان دار میں سکونت کرتا ہے۔
(۱۔کرنتی ۳: ۷؛ ۱۔کرنتی ۶: ۱۹) کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن
رُوح القدس کا مقدس ہے۔ جو تم میں بسا ہوا ہے۔ اور تم کو
خدا کی طرف سے ملا ہے۔ تم اپنے نہیں۔ تم قیمت سے خریدے
گئے ہو۔ پس اپنے بدن سے خدا کا جلال ظاہر کرو۔
۲ کرنتھیوں ۱: ۲۲۔ جس نے ہم پر مُہر بھی کی اور بیعانہ میں روح

کو ہمارے دلوں میں دیا۔ اِس روح کا ہمارے دلوں میں
رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم خدا میں قائم ہیں اور خدا ہم
میں ہے۔ ایوحنا ۴: ۱۳۔ چونکہ اس نے اپنے روح میں سے
ہمیں دیا ہے۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ ہم اس میں قائم رہتے ہیں۔
اور وہ ہم میں۔

۴: ۱-۶ جملہ معترضہ یعنی بات میں بات۔ حق کی روح اور گمراہی
کی روح۔

اِن آیتوں میں نبوت کے کلام کی جانچ پڑتال کا قاعدہ دیا
گیا ہے۔

رسولی زمانہ میں سب ایمان دار یقین رکھتے تھے۔ کہ نبوت
پھر جاری ہو گئی ہے اور آدمی روح کی ہدایت سے بولتے
ہیں۔ اور بھید کی باتیں کہتے ہیں۔ ان دنوں میں ان کو تجربے
سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جذب اور بے خودی کی حالت میں
جو باتیں مجذوب اور بے خود کے منہ سے نکلتی ہیں۔ وہ ہدایت
اور ترقی کی باتیں نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ ان کو ایک دوسرا
یقین یہ بھی حاصل ہو گیا کہ اس قسم کی بڑی گمراہی کی روح یعنی
ابلیس کی طرف سے ہوتی ہے۔

کرنتھیوں کے بارھویں۔ تیرھویں اور چودھویں باب کو اس
سلسلہ میں دیکھئے۔

اکرنتی ۱۲: ۱-۳ ۔ خاص کر توجہ کے قابل ہے۔
اکرنتی ۱۲: ۱۳ ۔ پس میں تمہیں جتاتا ہوں کہ جو کوئی خدا کے روح کی ہدایت سے بولتا ہے وُہ نہیں کہتا۔ کہ یسُوع ملعون ہے۔ اور نہ کوئی رُوح القدس کے بغیر کہہ سکتا ہے کہ یسوع خداوند ہے۔ دونوں مقدس یعنی پولوس اور یوحنا کہتے ہیں۔ کہ نبوت کے کلام کے مضمون سے نبوت پہچانی جاتی ہیں۔ اور دونوں ہی صحیح اور غلط نبوت کی جانچ پڑتال کا گرُ بتاتے ہیں۔
پولوس کہتا ہے کہ ایمان دار کا کلمہ اولی۔ بنیادی اور اسم اعظم یہ ہے کہ یسُوع خداوند ہے۔ (اکرنتی ۱۲: ۳) اور یوحنا وہی خیال اس طرح پیش کرتا ہے کہ یسوع مسیح مجسّم ہو کر آیا (ا یوحنا ۴: ۲)

دوسرے باب میں رسول نے مخالف مسیح کا ذکر کر کے یہ دکھایا ہے۔ کہ یہ آخری زمانہ ہے۔ ہمارے زمانہ میں پنٹی کاسٹل گروہ میں ایسے لوگ ہیں جن میں روحانی برتری اور تکبّر ہے اور اسی تکبّر کی روح وہ ان لوگوں میں پھونک دیتے ہیں۔ جو باقاعدہ مسیحی جماعتوں سے کسی خطا کے باعث خارج کئے ہوتے ہیں۔ یا جن کو اپنی ہی کمزوری یا ٹیڑھی طبیعت کے باعث کسی نہ کسی سے گلہ ہوتا ہے۔ عام طور پر ان کا رویّہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت میں تقسیم اور تفرقہ پیدا کرتے ہیں۔ ہمارا غلط تو

انتشار کا خدا ہے۔ وہ بدنظمی اور فتور پسند نہیں کرتا مگر یہ لوگ باقاعدگی کی جگہ بے قاعدگی اور نظام کی جگہ فتور پیدا کر کے خوش ہوتے ہیں اور اس کو پاک روح کی ہدایت اور خدا کا کام بتاتے ہیں۔ پاسبانوں اور ایلڈروں کے خلاف زبان کھول کر جماعت کو بددل اور بدظن کرتے ہیں۔ عبادت خانوں کی باقاعدہ عبادت کی جگہ گلی کوچوں کی بے قاعدہ بندگی کی ہدایت کرتے ہیں۔ دُعا میں شور و غل برپا کرتے ہیں۔ اور کلام کی اُلٹی ٹیڑھی تفسیر کرتے ہیں۔ اور اشتہار دیکر اور اکھاڑہ لگا کر بدروحیں نکالنے اور بیماروں کو صحت بخشنے کا اعلان کرتے ہیں۔ حالانکہ خداوند نے بھی کبھی اپنی مسیحائی کا ایسا دعویٰ نہ کیا تھا۔ بلکہ بیمار کو صحت دے کر اور بدروح نکال کر اکثر تاکید کرتے تھے کہ سلامت جا مگر کسی سے مت کہنا (مرقس ۱: ۴۵ و ۳: ۱۲)۔ مگر یہ لوگ خواہ مخواہ کے شہید بنے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہر آب و ہوا میں ہوتے ہیں۔ اپنے جذبات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں ہیجانی ہذیان Delirious Emotionalism فریسی گروہ کی یہی کیفیت تھی۔ وہ جذبات کے غلام تھے۔ اسی لئے خداوند نے ان کو عقل کے استعمال کی تلقین کی تھی۔ شریعت سے انہوں

نے یہ سیکھا تھا۔ کہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے پیار کر (استثنا ۶: ۵) مگر یسوع نے جب یہ حکم دُہرایا تو اس میں عقل بھی شامل کر دی۔ (مرقس ۱۲: ۳۱) گویا ان کو تعلیم دی کہ تم جو لکیر کی فقیری کرتے ہو عقل کو بھی استعمال کر لیا کرو۔ یہ انسان کے لئے خدا کا لطیف اور بیش قیمت انعام ہے۔ اسی سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔ خدا کی عبادت اور اخلاق عام میں معقول اور جذباتی معاملات میں امتیاز کر لیا کرو۔

کلام روحوں کا بھی قائل ہے اور بدروحوں کا بھی قائل ہے۔ چنانچہ خداوند بدروحیں نکالتے تھے۔ رسولوں کو بدروحوں سے واسطہ پڑا۔ مثلاً پطرس نے شمعون کی کرامات تسلیم کرلیں (اعمال ۸: ۱۰) اور پولوس نے ایماس کا اور فلپی شہر میں غیب گو لڑکی کا سامنا کیا۔ (اعمال ۱۳: ۸ و ۱۶: ۱۶-۱۸)

اس میں شک نہیں کہ بدروحیں ایمان داروں کے تابع کر دی گئی ہیں۔ مثلاً پھر اس نے بارہ کو بُلا کر انہیں سب بدروحوں پر اور بیماریوں کو دُور کرنے کے لئے قدرت اور اختیار بخشا (لوقا ۹: ۱) اور کہا۔ کہ اِس سے خوش نہ ہو

کہ بدروحیں تمہارے تابع ہیں۔ بلکہ اس سے خوش ہو کہ تمہارے نام آسمان پر لکھے ہوئے ہیں۔ (لوقا ۱۰: ۱۹-۲۰)

جو لوگ دعوےٰ کرتے ہیں کہ بدروحیں ہمارے بس میں ہیں اور خود مسیح سے باہر اور دُور ہیں۔ درحقیقت وُہ خود بدروحوں کے بس میں ہوتے ہیں۔ بدروحیں بے شک ان کی بات مانتی ہیں۔ کیونکہ وہ باتیں بھی تو بدروحیں ہی ان کے ذہن میں ڈالتی ہیں۔

بدروحیں خداوند کو پہچانتی ہیں۔ مرقس ۵: ۶-۷ میں بیان ہے کہ بدروح والا دُور سے یسُوع کو دیکھ کر دوڑا اور یسُوع کو سجدہ کیا۔ اور بڑی آواز سے چلا کر کہا کہ اے یسُوع خُدا تعالےٰ کے بیٹے مجھے تجھ سے کیا کام میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے عذاب میں نہ ڈال۔

بدروح چلاتی ہے مگر رُوح سنجیدگی اور متانت سے بات کرتی ہے۔ رُوح خداوند کی صحبت سے خوش اور مسرور ہوتی ہے۔ مگر بدروح بے چین ہو کر کہتی ہے کہ تجھے مجھ سے کیا کام۔

روح کا پھل محبت۔ خوشی۔ اطمینان۔ تحمل۔ مہربانی۔ نیکی ایمانداری۔ حلم۔ پرہیزگاری ہے۔ (گلتیوں ۵: ۲۲)

جسم کے کام یا پھل حرامکاری۔ ناپاکی شہوت پرستی۔ بت پرستی۔ جادُوگری۔ عداوتیں۔ جھگڑا۔ حسد۔ غصہ۔ تفرقے

جدائیاں۔ بدعتیں۔ بغض۔ نشہ بازی۔ ناچ رنگ۔ اور ان کی مانند وغیرہ وغیرہ ہیں۔ جسم سے مراد ہے سب کچھ جو روح کے خلاف ہے۔

نادیدنی دنیا سے انسان کا تعلق یسوع سے ہے۔ جو مجسم خدا ہے۔ تمام سچی روحیں اسی سے واسطہ رکھتی ہیں۔ مگر جھوٹی روحیں اس کا انکار کرتی ہیں۔ اور اپنے آپ وہ کام کرنے کی کوشش کرتی ہیں جو مسیح کی مدد اور ذریعہ سے ہی ہو سکتے ہیں۔ شیطان ایسوں کی دستگیری کرتا ہے۔

شیطان نورانی فرشتہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

شیطان روح کے مقابلہ میں نشہ والی چیزیں استعمال کرتا ہے۔ اور اکثر قدر کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب روح میں دعا کر رہی تھی لنٹ پر مخمور تھی۔ جب پاک روح نازل ہوا تو دیکھنے والوں نے کہا کہ یہ تو تازہ مے کے نشہ میں ہیں۔ اعمال ۲: ۱۳ میں لکھا ہے۔ سولوں روح سے بھر گیا۔ ساری رات ننگا پڑا رہا۔

نوح کی بابت پیدائش ۹: ۲۰ میں آیا ہے کہ اس نے ایک انگوری باغ لگایا اور اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ ڈیرے میں ننگا ہو گیا۔

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ شیطان نشہ سے ان حدث

کی نقل کرتا ہے جو پاک روح سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے
پولوس نے افسیوں کو تاکید کی تھی کہ شراب میں متوالے نہ بنو
بلکہ روح سے معمور ہوتے جاؤ (افسیوں ۵: ۱۸)

۴: ۷-۲۱ خدا محبت ہے:-

۴: ۷- آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔
کیا محبت انسانی ارادے اور کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے۔
رسول نے محبت کو ایسی ہلکی بات کیوں بنایا ہے [illegible]
طرح کیوں محبت کرنے کو کہا ہے۔ جس طرح روٹی کھانے یا
نسل کاٹنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس مشکل کو رسول
نے یہ کہہ کر حل کر دیا ہے کہ محبت خدا کی طرف سے ہے۔ رسول
کا مطلب یہ ہے کہ محبت انسانی نہیں خدائی ہے [illegible]
ہم انسانوں کو واجب ہے کہ خاکساری اور فروتنی اختیار
کریں۔ کیونکہ خدا فروتنوں کو توفیق بخشتا ہے (۱ پطرس ۵:۵)
فروتنی اور محبت لازم ملزوم ہیں۔ ان میں چولی دامن کا
ساتھ ہے۔ افسیوں ۴: ۲- میں آیا ہے کہ کمال فروتنی اور
حلم کے ساتھ تحمل کر کے محبت کے ساتھ ایک دوسرے
کی برداشت کرو۔ رسول کہتا ہے کہ محبت خدا کی طرف
سے ملتی ہے جو فروتنی کی شرط پر نصیب ہوتی ہے۔ [illegible]
جو فروتنی کریں [illegible] اور رہتی دامن [illegible] افراد [illegible]

تو خدا جو رحیم ہے ہم کو محبّت عطا کرے گا۔ کیونکہ اس کی ہر بخشش کے لئے ہماری تیاری ضروری ہے۔ ہر اچھی بخشش اور ہر کامل انعام اوپر سے ہے (یعقوب ۱: ۱۷) محبت خدا کی طرف سے کامل انعام ہے۔

جو محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے:۔

خدا سے پیدا ہونا اصطلاح ہے جس سے مراد ہے نیا جنم پانا۔ جس طرح ہر جنس کے بچے میں نسل کے خواص قدرتی طور پر آ جاتے ہیں۔ رسول بتاتا ہے۔ کہ اسی قاعدہ سے جو خدا سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی جس نے نیا جنم حاصل کیا ہے اس میں خدا کی خاص صفت یعنی محبّت خود بخود نمودار ہوتی ہے۔ محبت کا اصُول یوں بیان ہوا ہے کہ جو باپ سے محبت رکھتا ہے۔ وہ اس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے (۱ یوحنا ۵: ۲) پس اگر خدا سے ہماری محبت ہے تو خدا کے سب فرزندوں سے لازمی طور پر ہماری محبت ہونی چاہئے۔

یرمیاہ ۱۸: ۱-۴ میں بتایا گیا ہے کہ کامل انسان بننے کے لئے دوسرا جنم یا نیا جنم ضروری ہے۔ اسی کو خدا سے پیدا ہونا کہا گیا ہے۔

جو محبت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا:۔

خدا کا علم اور محبّت ایک ہی بات ہے۔ خدا کا علم محض

اصولی نہیں بلکہ عملی اور تجربی ہے۔ خلاق ہے یعنی اس بے لوث اور بے غرض محبت سے اور زندگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ خدا نے اپنی پاک محبت سے کائنات بنائی ہے۔ اور انسانی نسل کی ترقی کا اصول بھی محبت پر قائم کیا ہے۔ مگر شیطان نے گناہ اور گمراہی کے ذریعہ سے اس اصول میں پاک محبت کی جگہ ناپاک محبت یعنی شہوت رکھدی ہے۔

۴: ۸ خدا کی محبت اس طرح ظاہر اور معلوم ہوئی ہے کہ اس نے ہم کو زندگی دی ہے اور اس سے بڑھکر یہ کیا ہے کہ ہم کو اپنی زندگی دی ہے۔ خدا کی محبت خدا کے پیدا کرنے اور بنانے کے کام سے ظاہر ہوئی ہے۔ ہم کو اس نے مادی طور پہ بنایا اور پھر روحانی طور پہ بنایا۔ یوں ہم کو کامل کیا اور پیدائش کے کام کو بھی کامل کیا۔ یہ پیدا کرنے اور بنانے کا کام براہ راست ہم پہ نہیں کیا۔ بلکہ یسوع مسیح کے وسیلہ سے کیا ہے۔ جیسا کہ یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے کہ اس میں زندگی تھی۔ ساری چیزیں اس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں۔ (یوحنا ۱:۱-۲)

خدا کا یسوع میں مجسم ہونا کل کائنات کے وجود میں آنے کا سبب اور پیش خیمہ ہے۔ کائنات میں زندگی ادھورے طریق سے ظاہر ہوئی۔ مگر یسوع میں وہی زندگی کامل طور پہ ظاہر ہوئی۔ اور اس وقت سے ادھوری زندگیاں کامل بنائی

جا رہی ہیں۔
جس نے کہا تھا ہو جا اور ہو گیا۔ وہ کہتا ہے کامل ہو جاؤ۔ اور کہنے کے مطابق کامل بنا رہا ہے۔

۴ : ۹ محبت خدا کی طرف سے شروع ہوئی ہے۔ ہماری محبت تو اس کی محبت کا جواب ہے۔ اس کی محبت کا کمال اس بات میں ہے کہ وہ ہم کو مسیح کے وسیلہ سے کامل بناتا ہے۔ اس طرح کہ ہم میں سے گناہ اور فنا یعنی بدی اور موت کو نکال کر ہم کو پاک بناتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے۔ کیونکہ ناپاک میں ہمیشہ کی زندگی کی گنجائش اور تاب نہیں۔ اس حقیقت کی معمولی سی مثال منع کئے ہوئے پھل میں شروع ہی میں مل گئی تھی۔ خدا نے کہا تھا کہ جس دن اسے کھاؤ گے مرو گے۔ اب اس درخت میں موت نہ تھی۔ بلکہ اس کے پھل میں اس قدر قوت تھی کہ انسان کا محدود بدن اس کی برداشت کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اسی لئے جونہی حوا اور آدم نے کھایا اس کی قوت اور اثر کو برداشت نہ کر سکے۔ اور اپنی کمزوری کے باعث مر گئے۔ جس طرح انسان بجلی کی قوت کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور کسی درمیانی وسیلہ کے بغیر اسے چھونے سے مر جاتا بلکہ بھسم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے خدا نے بھی انسان کو اپنی کامل زندگی دینے کیلئے مسیح کو درمیان میں رکھا ہے۔ اس کے بغیر انسان خدا کی کامل زندگی کی برداشت نہیں کر سکتا۔

۴: ۱۲۔ خُدا جو نادیدنی ہے۔ اور آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ اپنی محبت کے کام سے یعنی کائنات کی پیدائش سے جانا جاتا ہے۔ اور ایمان داروں کی زندگی اور باہمی سلوک سے بھی جانا جاتا ہے۔ اسی طرح اولاد کی پیدائش اور فصلوں اور پھلوں کی پیداوار انسان (والدین) کی پاک محبت کا نتیجہ ہونا چاہیے۔ مگر برگشتگی کے باعث وہ محبت۔ عیاشی اور خودغرضی میں بدل گئی ہے۔

کائنات میں جو نظام اور ترتیب پائی جاتی ہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کائنات کے پیچھے ایک ہستی ہے۔ جس میں ارادہ۔ عقل اور تدبر ہے۔ وُہ ہستی خُدا کہلاتی ہے۔

دن رات کا چکر۔ موسموں کا دَور۔ انسان اور حیوان کی پیدائش اور نسلوں کا قیام اور ترقی خدا کا پتہ دیتی ہے۔

۴: ۱۳-۱۴۔ خُدا نے ایمان دار کو اپنا روح دیا ہے۔ اس لین دین سے ایمان دار خدا میں اور خدا ایمان دار میں قائم ہو گیا ہے۔ خدا نے اپنا روح مسیح کی وجہ سے اور مسیح کے وسیلے سے ایمان دار کو دیا ہے۔ وُہ گنہگار کا سہارا اور نجات دینے والا ہے۔ خُدا کے روح کا انسان میں آنا ہی انسان کی نجات ہے۔ جب انسان کے گناہ معاف

ہوئے ہیں اور اس کی سچی توبہ منظور ہوتی ہے اور روح بیجانہ میں مل جاتا ہے۔ اس کی زبان کی گرہ کھل جاتی ہے۔ اس کی محبت کا حلقہ وسیع بن کر عالمگیر ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بچ جانیکے حوالے دیگر زندہ مثال سے یسوع مسیح کی نجات کی گواہی دیتا۔ اعلان کرتا اور اس نجات میں محتاجوں کو شریک کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

۴: ۱۵ جب انسان میں خدا کا روح آتا ہے اور اس کی خدا کے ساتھ رفاقت اور شراکت ہو جاتی ہے تو وہ اقرار اور اعلان کرتا ہے کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

یہاں رسول نے انسان کی ایک بہت قدیم اور پرانی اور بے حد ضروری دلی خواہش اور روحانی احتیاج پوری کی ہے۔ انسان بے شک خدا کی حضوری سے نکالا ہوا ہے۔ مگر بالکل گیا گذرا نہیں ہو گیا۔ اس کی ہستی کی تہ میں کہیں نہ کہیں خدا پرستی کا جذبہ اور نیکی کا ذرہ چھپا ہوا ہے۔ بدتر سے بدتر انسان بھی زندگی میں کسی نہ کسی وقت اپنی قدر پہچانتا ہے۔ اور خدا کی محبت پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہے۔ اور نہ صرف خدا کی عبادت کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ خدا سے میل اور موافقت بحال کرنا چاہتا ہے۔ خدا نے بھی برگشتہ انسان سے اپنی محبت بالکل نہیں توڑی۔

خدا انسان کے ساتھ وفادار ہے۔ وہ بدل نہیں سکتا۔ یہی اس کی خدائی کی شان ہے۔ وہ بدستور انسان کی پرورش اور حفاظت کر رہا ہے اور انسان کی توبہ کا اور یعنی اپنی خاص حضوری میں واپسی کا خواہش مند اور منتظر ہے۔ اگر انسان میں نیکی کا ذرہ نہ ہوتا اور خدا میں محبت اور انسان کی واپسی اور بحالی یعنی پُنر ملن کی تمنا اور امکان نہ ہوتا تو مسیح کا کفارہ بیکار اور بے وجہ ثابت ہوتا۔ اور خدا اور انسان کی دُوری نہ مٹتی۔ اور ملاپ نہ ہوتا۔ رسول نے بتایا کہ خدا کے طالب انسان کے لئے ایک ہی راہ ہے کہ وہ اقرار کرے یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ یعنی یسوع مسیح خدا ہے جو انسانی بدن اور شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ اس ایمان اور اقرار پر انسان کی بحالی کا وعدہ ہے۔ انسان کو گنہگاری کی حالت میں ایک کامل راہبر اور کامل درمیانی کی ضرورت ہے۔ جس کی مدد سے اس کا کام بن سکتا ہے۔ اور جب پاجی سے پاجی انسان بھی ایمان لاتا اور اقرار کرتا ہے۔ تو مسیح کی معرفت خدا کے ساتھ اس کی رفاقت ہو جاتی ہے۔ مسیح خداوند انسان کو خوب پہچانتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو پہچاننے کے واسطے یسوع مسیح کی نگاہ کی ضرورت ہے جو برگشتہ اور باغی انسان کے اندر خدا کے بیٹے کو دیکھتا ہے اور اپنی محبت اور تحمل

کی ہوا دے کر انسان کی دبی ہوئی چنگاری کو شعلۂ جوالا بنا دیتا ہے جس سے انسان کی تاریک اور بھیانک ہستی کا کونہ کونہ جگمگا اُٹھتا ہے۔ مسیح اپنے نور میں سے نور۔ زندگی میں سے زندگی۔ اور محبت میں سے محبت دے کر ادھورے انسان کی نئے سرے سے تعمیر کرتا ہے۔ اور اسے کامل بنا دیتا ہے۔ (افسیوں ۲: ۱۱-۱۵)

۴: ۱۷- محبت ہم میں کامل ہوگئی ہے۔

ہر ایمان دار میں محبت کا کمال دو طرح کا ہے (۱) خُدا سے کامل محبت (۲) آپس میں کامل محبت جسے برادرانہ اُلفت بھی کہا گیا ہے۔ (۲ پطرس ۱: ۷)

ادھورے اور ناکامل انسان میں محبت کیسے کامل ہو سکتی ہے یا کامل محبت کیس طرح سما سکتی ہے؟ یہ راز کی بات ہے۔ جسے عارف ہی جان سکتے ہیں۔

(۱) خُدا محبت ہے۔ خدا کامل ہے۔ خدا جو محبت ہے اور کامل ہے ہم میں قائم ہو گیا ہے۔ یوں کامل محبت ہم میں آگئی ہے۔ (۲) ایمان دار کی محبت خالص ہو جاتی ہے اس میں خود غرضی اور مطلب براری نہیں رہتی۔ یوں کمال یا کامل خالص کے معنوں میں آیا ہے۔ (۳) رسول ایمان کی آنکھ پر الہام کی دُوربین لگا کر ایمان دار کی وُہ حالت دیکھتا ہے جو انجام کار ہوگی۔ عبرانیوں ۱۲: ۲۳ میں کامل کئے ہوئے ایمانداروں کی روحیں

دیکھتا ہے۔
ایمان دار کو مسیح یسوع کی بصارت اور نگاہ حاصل ہوتی ہے جس سے وہ یسوع مسیح کی طرح برگشتہ۔ پاپی ادھورے اور گھنونے انسان کو نہیں بلکہ اس کے انجام کو دیکھتا ہے۔
ماں اپنے ننھے بچے میں خوبصورت جوان اور پورا انسان دیکھتی ہے۔
پتھر کے بت بنانے والا پتھر کے بیڈول ٹکڑوں میں خوبصورت فرشتے دیکھتا ہے۔ اور محنت اور ہنر سے گھڑ کر نکالتا ہے اسی طرح مسیح یسوع ادھورے اور گھنونے اور پتھر دل انسان میں خدا کے بیٹے دیکھتا ہے۔
مسیح کی نگاہ آگے کی طرف ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ انسان کیا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ انسان کیا کچھ ہوگا۔ اور اس کی قدر کرتا ہے۔

غلام کی محبت میں خوف ہوتا ہے (رومیوں ۸: ۱۵)
بیٹے کی محبت میں خوف نہیں ہوتا (ایوب ۲۸ : ۲۸ امثال ۸: ۱۳ وفلپیوں ۲ : ۱۲ وعبرانی ۵ : ۷)
رومیوں ۸ : ۱۵۔ تم کو غلامی کی روح نہیں ملی جس سے ڈر پیدا ہو بلکہ لے پالک ہونے کی روح ملی ہے۔ جس سے ہم ابا یعنی اے باپ کہہ کر پکارتے ہیں۔ روح خود ہماری روح کے ساتھ مل

کر کہتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔
۴: ۱۷: تاکہ ہمیں عدالت کے دن دلیری ہو:۔
بائبل میں خدا کے خوف کا ذکر ہے۔ حالانکہ خدا کی جامع اور مکمل تعریف یہ ہے کہ خدا محبت ہے۔ خوف اور محبت ایک جگہ نہیں رہ سکتے (۴: ۱۸) پھر خدا کے خوف سے کیا مراد ہے؟
خدا کے خوف سے وہ خوف نہیں جو خدا سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ وہ خوف جو ہماری کمزوری اور مجبوری سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم کمزور ہیں اور ہم اپنی لاچاری اور مجبوری کے باعث ڈرتے اور تھرتھراتے ہیں کہ ہم خدا کے حکموں کی پوری تعمیل نہ کر سکینگے۔ ہم تابعداری سے اس کی مرضی پوری نہ کر سکینگے۔ ہم اس کی عزت اور عبادت اسکی شان کے مطابق نہ کر سکینگے۔ اس قسم کا خوف جو ہماری ذاتی اور اندرونی کمزوری سے پیدا ہوتا ہے خدا کا خوف کہلاتا ہے۔ جس طرح الّو اپنی ذاتی کمزوری کے باعث سورج سے ڈرتا ہے۔ اسیطرح اگر چمگادر کی آنکھ دن کے وقت نہیں دیکھ سکتی تو سورج کا کیا قصور ہے۔ خوف نافرمانی سے پیدا ہوتا ہے جسطرح آدم میں ہُوا اور اس نے کہا کہ "میں ڈرتا ہوں"
ایمان دار سے اس قسم کا خوف جاتا رہتا ہے۔ اس کو خدا تابعداری کی توفیق دیتا ہے جس سے ایمان دار خدا کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ نیک نیت سے عبادت کرتا ہے۔ اور خدا کے ساتھ خوش رہتا ہے۔ یہ خوشی خالص محبت سے پیدا ہوتی

ہے۔ جہاں خوشی ہے وہاں خوف نہیں محبت ہے۔ اور چونکہ اس محبت اور تابعداری کے باعث ایمان دار کا خُدا کے ساتھ میل ہو جاتا ہے۔ ایمان دار عدالت سے نہیں گھبراتا۔ بلکہ ہنس کر اور خوشی خوشی خُدا باپ کے تختِ عدالت کے روبرو جاتا ہے۔ جہاں سے سزا کا حکم صادر نہیں ہوتا۔ (رومیوں ۸:۱) بلکہ شاباش ملتی ہے۔ (متی ۲۵:۲۱)

۴:۱۷ جیسا وہ ہے ویسے ہی دُنیا میں ہم بھی ہیں :۔

یہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ مگر مسیح یسوع میں صحیح ہے۔ جیسے وہ بیٹا ہے ہم ویسے ہی اس زمین پر خدا کے بیٹے ہیں۔ جیسے وہ تابعدار ہے ویسے ایمان دار تابعدار ہیں۔ جیسے مسیح اور باپ ایک ہیں ویسے ہی ایمان داروں کی باپ کے ساتھ رفاقت اور موافقت ہے۔ جیسے خدا باپ اور اس کے پیارے بیٹے میں محبت ہے اور باپ بیٹے سے خوش ہے۔ اسیطرح خدا باپ اور لےپالکوں میں محبت ہے اور باپ ان سے خوش ہے۔

۴:۱۸ خوف سے عذاب ہوتا ہے :۔

خوف کی وجہ ذاتی اور اندرونی کمزوری ہوتی ہے۔ اگر انسان کے اندر پکڑے جانے اور پھاڑے جانے کی کمزوری نہ ہو تو انسان کو شیر اور بھیڑیئے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں

دو طبیعتوں کی مخالفت اور ناموافقت کا نام دُکھ اور عذاب ہوتا ہے۔

گناہ خوف کا کارن ہے:۔

خوف بجائے خود ایک دُکھ اور عذاب ہے۔ایک سزا ہے۔ آدم کی سب سے پہلی سزا خوف تھی۔وہ سزا پشت در پشت چلی آ رہی ہے۔آج انسان قدرت کی مفید طاقتوں سے ڈرتا ہے۔اپنے ماتحت جانوروں اور کیڑے مکوڑوں سے ڈرتا ہے۔پانی سے ڈرتا ہے۔بھائی سے ڈرتا ہے۔اور اس ڈر کے مارے عذاب میں رہتا ہے۔

۴:۱۹ ہم اس لئے محبت کرتے ہیں کہ پہلے اس نے ہم سے محبت کی:۔

ہماری محبت خدا کی محبت کا جواب ہے۔ورنہ ہم میں خوف تھا محبت نہ تھی۔مسیح کی محبت اور شفقت نے ہم کو محبت دی ہے۔یعنی بتایا ہے کہ خدا باپ ہے۔جو غصہ کرنے میں دھیما اور شفقت میں بڑھ کر ہے۔وہ کسی گنہگار کی ہلاکت سے خوش نہیں۔بلکہ توبہ کی توفیق بخشتا ہے (اعمال ۵:۳۱)

اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک خاص زمانہ میں خدا نے ہم سے محبت کرنا شروع کیا۔اس کی محبت تو ازل سے چلی آ رہی ہے۔پہلے دن سے اپنا سورج چمکا رہا اور بارش

برسا رہا ہے۔اور موسم عطا کر رہا ہے (اعمال ۱۴: ۱۷)۔ یہ سچ ہے کہ مسیح نے ایک خاص اور مقررہ وقت پر آ کر ہم کو خدا کی محبت کامل طور پر دکھائی ہے۔اور ہمیں اس کا ذاتی اور عملی علم دیا ہے۔جب خدا محبت کر رہا تھا۔ہمارے اندر کدورت بغاوت اور عداوت تھی۔ (متی ۵ : ۴۴-۴۵)

خدا چشمہ ہے۔مسیح دریا ہے۔ہم بنجر زمین کی طرح اس دریائے محبت اور پریم ساگر سے پیتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۴ : ۲۰۔ اگر کوئی کہے کہ "میں خدا سے محبت کرتا ہوں اور اپنے بھائی سے عداوت رکھے تو جھوٹا ہے کیونکہ جو اپنے بھائی سے جسے اس نے دیکھا ہے محبت نہیں رکھتا۔وہ خدا سے جسے اس نے نہیں دیکھا محبت نہیں رکھ سکتا۔"

متی ۱۸: ۲۳-۳۵۔اس آیت کی سب سے عمدہ تفسیر ہے۔ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ اندیکھے کی بہ نسبت دیکھے سے محبت کرنا آسان ہے۔اور نہ ہی یہ مراد ہے کہ ایمان دار جو محبت انسان سے کرتا ہے وہ اس محبت سے جو خدا سے کی جاتی ہے کمتر ہے۔ہماری دنیا میں عام طور سے محبت سے انسانی خیرخواہی اور بہتری مراد لی جاتی ہے۔ فریسی کہتے تھے کہ ہم خدا کو جانتے ہیں اور اس سے محبت

کرتے ہیں۔ مگر جب خدا انسانی صورت میں ظاہر ہوا تو ان کے دعوےٰ کی قلعی کھل گئی۔ انجیل یوحنا ۱۵: ۲۴ میں خداوند نے فریسیوں کی بابت کہا تھا۔ کہ انہوں نے مجھے اور میرے باپ دونوں کو دیکھا اور دونوں سے عداوت رکھی۔ جو دیکھے ہوئے سے عداوت رکھتا ہے وُہ اندیکھے سے کیونکر محبت رکھے گا۔

برادرانہ الفت خدا کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

۴: ۲۱۔ ہم کو اس سے یہ حکم ملا ہے کہ جو کوئی خدا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنے بھائی سے بھی محبت رکھے۔

خُدا ہمارا باپ ہے اور کُل انسان ہمارے بھائی بند ہیں۔ محبت کا قانون یہ ہے کہ جو کوئی والد سے محبت رکھتا ہے۔ وہ اِس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے۔

حکم سے یہاں اشارہ مراد ہے۔ یعنی ہم کو یہ اشارہ ملا ہے کہ باپ کی محبت بھائی بندوں کی محبت میں دکھادیں۔

عہ: یہ پہلا سبق ہے کتاب دل کا۔ کہ یہ ساری دُنیا ہے کنبہ خدا کا۔

چوتھی فصل

ایمان

چوتھے باب میں رسول نے مسیحی محبت کی تشریح کی ہے اور بتایا ہے کہ محبت ہی ایمان دار کی زندگی اور عمل کا اصول اور دستور ہے اب پانچویں باب کے پہلے حصہ میں وہی اصول ہی معرفت کے مقابلہ میں پیش کر رہا ہے۔ پہلی چار آیتوں میں پہلے باب کی پہلی تین آیتوں کا مضمون دہرایا ہے۔

ا یوحنا ۲: ۲۹۔ جو کوئی راستبازی کرتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔
ا یوحنا ۴: ۷۔ جو کوئی محبت کرتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔
ا یوحنا ۵: ۱۔ جس کا یہ ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔

ایمان:۔

ایمان۔ اُمید۔ محبت تینوں دائمی ہیں۔ (ا کرنتھی ۱۳: ۱۳)

خدا محبت ہے ۔۴: ۱۶

خدا کی خاص صفت محبت ہے۔ محبت خدائی گن ہے۔ اس خدائی گن کے اثر سے انسان میں ایمان اور اُمید پیدا ہوتے ہیں۔ محبت خدا اور انسان میں ایک نسبت ہے۔ اس نسبت کا خدائی سرا

ایمان ہے اور انسان کی سرا امید ہے۔

خدا بے تبدیل ہے۔ وفادار ہے اور وعدہ کا پکّا ہے۔ اپنی محبت سے اس نے انسان کے ساتھ جو عہد باندھا ہے اور وعدہ کیا ہے اس سے کبھی ٹلتا نہیں۔ وہ برابر سورج چمکا رہا ہے اور بارش برسا رہا ہے اور قدرت کے قانون برابر انسان کے فائدہ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ انسان کی بغاوت۔ سرکشی۔ حکم عدولی اور برگشتگی سے خدا کی محبت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا وہ کہتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ میں بدلتا نہیں (ملاکی ۳:۶)

انسان اِن خدائی وعدوں اور عہدوں کے قبول کرنے اور عمل میں لانے میں کمزور اور دلِ معطّل یقین ہے۔ انسان عہد شکن ہے اور وعدہ وفا نہیں۔ اس کی اُمید کا یہ حال ہے۔

ع۔ کوئی اُمید بر نہیں آتی۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی

ع۔ مٹی ہوگی کوئی حسرت رقیبوں کی مٹی ہوگی جو کام تمنا تھا وہ ناکام تمنا ہے

ع۔ جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

خدا واجب الوجود ہے۔ اس کے ہر قول کا پورا ہونا واجب ہے۔ مگر انسان ممکن الوجود ہے۔ اس کے قول اور عہد کے پورا ہونے کا امکان تو ضرور ہے۔ مگر اس میں پورا کرنے کی طاقت اور ہمت نہیں۔ اِسی لئے انسان کی کمزوری اور بے بسی میں خدا کی محبت کا وہ سرا آڑے آتا ہے جو خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی ایمان۔ پس ایمان خدا کی طرف سے ایک توفیق ہے۔ جو خدا کی محبت کی بِنا

پر انسان کو ملتی ہے۔ اِس سے انسان یسُوع کو مسیح جانتا اور مانتا ہے۔ ورنہ عقل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

افسیوں ۲: ۸۔ اور رومیوں ۸: ۲۴ میں ایمان اور اُمید ایک ہی معنی میں ایک دوسرے کے بدلے استعمال ہوئے ہیں۔

۵: ۴۔ جو خُدا سے پیدا ہوا ہے وہ دُنیا پر غالب آتا ہے۔

یسوع مسیح خُدا سے پیدا ہُوا۔ اس نے کہا۔ کہ مَیں باپ میں سے نکلا ہوں۔ اور مَیں اور باپ ایک ہیں۔ آزمائش میں شیطان نے ہر رنگ میں اور ہر ڈھنگ میں دُنیا اس کے سامنے پیش کی۔ مگر وہ شیطان کے فریب اور جال میں نہ آیا۔ وُہ غالب آیا۔ وُہ فتح مند ہوا۔ اسی فتح کی بنا پر وہ صلیب پر اور قبر میں بھی فتح مند رہا۔ اور ابد تک فتح مند ہے۔ اِس نے فتح کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول دیا ہے۔ اب انسانوں کو دُنیا پر فتح نصیب ہوتی ہے۔ مگر فتح سے پہلے یہ ضرور ہے کہ ہر انسان خدا سے پیدا ہو۔

انسان خُدا سے پیدا ہوتا نہیں۔ کیا جاتا ہے۔ یہ روح کا کام ہے۔ اور روح اس الہٰی توفیق کے وسیلہ کام کرتا ہے جو انسان کو خدا کی طرف سے میسّر ہوتی ہے۔ چنانچہ پانچویں آیت کہتی ہے کہ دُنیا کا مغلوب کرنے والا کون ہے۔ سوا اس شخص کے جس کا یہ ایمان ہے۔ کہ یسوع خُدا کا بیٹا ہے۔ اور بغیر روح

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے۔ جب پطرس نے پہلی بار یہ اقرار کیا اور یسوع مسیح کو کہا کہ تُو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ تو یسوع مسیح نے اسے کہا کہ یہ بات تجھے گوشت اور خون نے یعنی تیری انسانیت نے نہیں۔ بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پہ ظاہر کی ہے۔ (متی ۱۶:۱۷)

فلپیوں ۴:۱۳ میں پولس رسول ذاتی تجربے سے کہتا ہے۔ کہ جو مجھے طاقت بخشتا ہے مَیں اس میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔
۲ کرنتی ۱۲:۹۔ میرا فضل تیرے لئے کافی ہے۔

رومیوں ۸:۳۷۔ سب حالتوں میں اس کے وسیلے سے جس نے ہم سے محبت کی ہم کو فتح سے بڑھ کر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔
ا کرنتی ۱۵:۵۷۔ خدا کا شکر ہے جو ہم کو ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے فتح بخشتا ہے۔
انجیل یوحنا ۱۶:۳۳۔ تم دنیا میں مصیبت اُٹھاتے ہو۔ مگر خاطر جمع رکھو مَیں دنیا پر غالب آیا ہوں۔

مسیح میں اور دیگر مذہبوں کے بانیوں اور ہادیوں میں یہی بھاری فرق ہے۔ کہ مسیح ایمان دار کو قوت اور توفیق بخشتا ہے کہ اس کے حکموں پر اور تعلیم پہ عمل کر سکیں۔ مگر باقی حکم دیتے ہیں۔ لیکن ان پہ نہ تو خود عمل کر سکتے ہیں نہ اپنے پیروکاروں کو عمل کی توفیق اور قوت دے سکتے ہیں۔ اسی لئے یسوع مسیح

نے فریسیوں کو ڈانٹ کر کہا تھا۔ کہ تم ایسے بوجھ لوگوں پر لادتے ہو جن کو تم خود اُٹھا نہیں سکتے بلکہ اُنگلی سے ہلا بھی نہیں سکتے (متی ۲۳:۴)
مسیح نے ہر تعلیم اور نصیحت سنانے اور سکھانے سے پہلے خود اس پر عمل کیا اور زندگی میں آزمایا۔ چنانچہ اعمال ۱:۱ میں لوقا کہتا ہے۔ کہ میں نے پہلا رسالہ ان سب باتوں کے بیان میں تصنیف کیا جو یسوع شروع سے کرتا اور سکھاتا رہا۔

یُوحنا رسول نے مکاشفہ کے پانچویں باب میں خداوند مسیح کی کامل قُدرت جس سے وہ ہر غالب پر غالب آتا ہے یوں بیان کی ہے کہ ایک سربمہر کتاب ہے جو اندر سے بھی اور باہر سے بھی لکھی ہوئی ہے اسے کوئی کھول نہیں سکتا۔ دُنیا کے مشہور آدمی اس کتاب کی مہریں کھولنے اور کتاب کا مضمون پڑھنے میں عاجز ہیں۔ انسان کی بے بسی دیکھ کر یوحنا عارف رونے لگا۔ اتنے میں خداوند یسوع مسیح آیا اور اس نے اس کتاب کی مہر کھولی۔ اور اور راز بیان کئے۔ یہ مہر والی کتاب اس دنیا کی تواریخ ہے جس کی کچھ تحریر انسان کے روبرو ہے اور کچھ چھپی ہوئی ہے۔ اور کسی انسان پر ظاہر نہیں۔ صرف یسوع مسیح کو اس کا علم ہے۔ کہ اس دنیا کا انجام کیا ہونے والا ہے اور تواریخ کہاں ختم ہونے والی ہے۔ اِن پہلی پانچ آیتوں میں ایمان کی فتح بیان ہے۔ اور ۶:۱۲ میں ایمان کی گواہی ہے۔ یعنی پانچویں آیت کے اس

دعویٰ کی کہ صرف یسوع پر ایمان لا کر ہی انسان دنیا پر غالب آسکتا ہے۔ تشریح اور دلیل ہے۔ یوحنا اپنی انجیل گواہی سے شروع کرتا ہے (۱: ۵ او ۱۹ و ۳۲ و ۳۴) اور گواہی سے ختم کرتا ہے (۱۹: ۳۵ و ۲۱: ۲۴) مکاشفہ کی کتاب بھی گواہی سے شروع کرتا ہے۔ (۱: ۲) اور گواہی سے ختم کرتا ہے (۲۲: ۱۶ او ۱۸ و ۲۰) اور پہلا خط بھی گواہی سے شروع کرتا ہے (۱: ۲) اور گواہی سے ختم کرتا ہے (۵: ۶-۱۲)

۴: ۶ میں پہلی گواہی یا ثبوت یہ ہے کہ یسوع پانی اور خون سے آیا۔ یعنی پانی سے بپتسمہ پایا اور صلیب پر خون بہایا اور گستمنی پانی اور خون کا مرکب دکھایا۔ پانی اور خون سے یسوع مسیح کے مادی بدن کی گواہی ہے۔ جس سے اس کا انسان ہونا ظاہر ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ جو غالب آیا صرف خدا نہ تھا۔ اگر صرف خدا تھا۔ تو اس کی مثال اور نمونہ سے انسانوں کو ہمت اور حوصلہ نہیں مل سکتا ہاں انسان کے لئے انسان کا نمونہ صحیح ہے۔ جو کچھ ایک انسان کرسکتا ہے وہی کچھ کوئی دوسرا انسان بھی کر سکتا ہے۔ یعنی جو غلبہ اور فتح مسیح نے انسان ہوتے ہوئے حاصل کیا۔ وہ اور انسان بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ مسیح کی فتح سب انسانوں کے واسطے نمونہ کی فتح ہے۔

۴:۷۔ اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے اور روح سچائی ہے۔ روح کی گواہی دو طرح کی ہے۔ (۱) روح گواہ ہے۔ کہ یسوع مسیح انسان ہے۔ اور گو اس کی انسانیت کامل ہے تو بھی اس کو روح کی مدد اور رحمانیت کی ضرورت ہوئی۔ روح خدا ہے۔ جو انسان نہیں کر سکتا وہ خدا کرتا ہے (متی ۱۲)
(۲) روح گواہ ہے کہ یسوع کا سب کام روح نے کیا۔ مثلاً

۱۔ یسوع روح سے پیدا ہوا۔ (لوقا ۱: ۲۵)
۲۔ روح سے بپتسمہ ہوا۔
۳۔ روح سے آزمائش ہوئی۔ (متی ۴: ۱)
۴۔ روح سے کام کیا۔ (لوقا ۴: ۱۴-۱۵)
۵۔ روح سے معجزے کئے۔ (لوقا ۴: ۱۸)
۶۔ روح سے مُردوں میں سے جی اٹھا۔ (رومیوں ۸: ۱۱)
۷۔ روح سے اوپر اٹھایا گیا۔ (اعمال ۱: ۲)

۴: ۸۔ گواہی دینے والے تین ہیں۔ روح۔ پانی اور خون۔ اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں:۔
رسول کے ایام میں ایک جھوٹا اُستاد سرنتھس یہ تعلیم دیتا تھا۔ کہ بپتسمہ کے وقت یسوع پر مسیح نازل ہوا۔ اور صلیب کے وقت چھوڑ گیا۔ یعنی کفارہ صرف انسان

نے دیا ہے خدا کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ سرنتھس یہ تعلیم بھی دیتا تھا۔ کہ مادّی بدن روحانی نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی انسانیت اور الوہیت کا ملاپ ممکن ہے۔ اور نہ مسیح کو مرنے کی ضرورت تھی۔ وُہ تجسم کا اور مسیح کے دُکھ اُٹھانے کا قائل نہ تھا۔ سرنتھس پانی کی گواہی کا تو قائل تھا مگر خون اور روح کی گواہی تسلیم نہ کرتا تھا۔ اسی لئے یُوحنا زور سے اور یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ پانی اور خون سے آیا اور تین گواہی دیتے ہیں۔ اور تینوں کی گواہی متفق ہے۔

گواہی کا مضمون کیا ہے:۔

گواہی کا مضمون یہ ہے کہ یسوع اور مسیح دو الگ الگ ہستیاں نہیں بلکہ ایک ہی ہستی کے دو جُدا جُدا عظیم کاموں کے سبب دو صفاتی نام ہیں۔ یعنی نام دو ہیں۔ وجود ایک ہے۔ یسوع ہی مسیح ہے۔ یوحنا نے پانی کے بپتسمہ کا اکثر ذکر کیا ہے۔ مثلاً انجیل یوحنا ۳: ۵ "میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں۔ جب تک کوئی آدمی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

انجیل یُوحنا ۴: ۱۰ و ۴: ۱۵ و ۷: ۳۷-۳۹ میں مسیح نے خاص طور پر پانی کا ذکر کیا ہے۔ اور ۶: ۵۳-۵۶ میں بڑی تاکید کے ساتھ خون پیش کیا ہے۔ بپتسمہ کے وقت آسمان سے روح

کبوتر کی شکل میں آتا دکھائی دیا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ یعنی روح نے یسوع کی طرف اشارہ کرکے یہ گواہی دی۔ اور اس کو مسح کیا۔ روح کی گواہی سچی ہے۔ جس طرح مسیح یسوع کی پیدائش کے وقت جب مریم نے کچھ اعتراض پیش کیا تو جبرائیل فرشتے نے کہا تھا۔ کہ خدا کا روح تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا تعالےٰ کی قدرت تجھ پر سایہ کرے گی۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ پیدا ہونے والا انسان کا نہیں بلکہ خدائے عظیم کا بیٹا ہوگا۔ وہی روح بپتسمہ کے وقت یسوع مسیح پر نازل ہوا۔ اور گواہی دی کہ یہ خدا کا بیٹا ہے۔ جیسی اس کی گواہی پیدائش کے وقت سچی تھی ویسی ہی بپتسمہ کے وقت سچی تھی۔

یوحنا نے خود روح کی گواہی قبول کرکے گواہی دی تھی۔ کہ میں تو صرف پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں۔ مگر تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے۔ جسے تم نہیں جانتے۔ یعنی میرے بعد کا آنے والا جس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے میں لائق نہیں (انجیل یوحنا ۱: ۲۷-۲۸) جس نے اس کی گواہی قبول کی اس نے اس بات پر مُہر کر دی کہ خدا سچا ہے (انجیل یوحنا ۳: ۳۳)

صلیب پر خون نے بہ کر بھی یہی گواہی دی کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ یہ خون اسی وجود مسعود کا تھا۔ جسے یسوع مسیح

کہتے تھے۔ افسیوں ۱: ۱۹ میں اس کو مسیح کا خون کہا گیا ہے۔ اگر صلیب کے وقت مسیح الگ ہوگیا اور یسوع رہ گیا تھا تو یہ خون مسیح کا خون کیس طرح ہو سکتا تھا۔ اسیطرح عبرانی ۹: ۱۴ میں رسول کہتا ہے کہ مسیح کا خون جس نے اپنے آپ کو ازلی روح کے وسیلے خدا کے سامنے بے عیب قربان کردیا۔

پانی کے بپتسمہ کے بعد یسوع مسیح نے اسی خون کے بپتسمہ کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ کہ مجھے ایک اور بپتسمہ لینا ہے۔ (لوقا ۱۲: ۵۰)

۵: ۹۔ شریعت کے مطابق دو آدمیوں کی گواہی کافی سمجھی جاتی تھی۔ (۲ کرنتی ۱۳: ۱ وعبرانیوں ۱۰: ۲۸) مگر یہاں تین گواہ ہیں۔ اور ان کی گواہی متفق ہے۔ برخلاف ان گواہیوں کے جو مسیح کے خلاف دی گئیں مگر متفق نہ تھیں۔ (مرقس ۱۴: ۵۶)

۵: ۱۰۔ جو خدا کے بیٹے پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے آپ میں گواہی رکھتا ہے۔

چشم دید یعنی آنکھوں دیکھی گواہی سنی سنائی گواہی سے زیادہ یقین کے لائق ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر تجربے یعنی آپ بیتی کی گواہی ہے۔ جب مرنے والا گواہی دیتا ہے کہ مجھے فلاں آدمی یا آدمیوں نے قتل کیا ہے تو اس کی گواہی

وزن دار ہوتی ہے۔اسی طرح جس انسان کو ایمان نصیب ہوگیا ہے اسے بیرونی گواہی کی ضرورت نہیں۔ نہ کتابی شہادت کی احتیاج ہے وہ تو خود جیتا جاگتا گواہ بن جاتا ہے اور تجربے سے جانتا ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے اور وہ خدا کا بیٹا ہے۔

سب سے بڑا جھوٹ اور کفر خدا کے بیٹے پر ایمان نہ رکھنا اور یسوع کو مسیح تسلیم نہ کرنا ہے۔بے ایمان انسان گویا خدا کو جھوٹا ٹھیراتا ہے۔کیونکہ خدا کے کسی انتظام کو تسلیم نہ کرنا گویا یہ کہنے کے برابر ہے کہ خدا نے انتظام کیا ہی نہیں۔

۵: ۱۱-۱۲-مسیح خداوند زندگی ہے:-

یسوع ہی مسیح ہے۔یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔یسوع مسیح خدا کا بیٹا ابدی زندگی ہے۔ خدا نے اپنے بیٹے یسوع مسیح میں ہمیں ہمیشہ کی زندگی بخشی ہے۔

رومیوں ۸: ۲۳-ہمیشہ کی زندگی ہمارے خداوند یسوع میں خدا کی بخشش ہے۔

انجیل یوحنا ۱۱: ۲۵ زندگی میں ہوں۔

" " ۱۴: ۶- زندگی میں ہوں۔

" " ۳: ۱۶- خدا نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو

کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔
انجیل یوحنا ۱۱ : ۱۰+۱۰ - میں آیا ہوں تاکہ تم زندگی پاؤ بلکہ کثرت کی زندگی پاؤ۔
انجیل یوحنا ۵ : ۲۴ - مردے خدا کے بیٹے کی آواز سنینگے اور جئینگے۔
طیطس ۱ : ۲ - ہمیشہ کی زندگی کی امید پر جس کا وعدہ ازل سے خدا نے کیا ہے۔
طیطس ۳ : ۷ - ہم ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہیں۔
یوحنا رسول صحیح معنوں میں عارف یعنی برہم گیانی ہے۔ مذہب کی حقیقت اس برہم گیانی نے سمجھی اور رکھولی ہے۔ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ زندگی ہے۔ جان ہے۔ تو جہان ہے۔ زندہ انسان اپنی محنت اور خدا کے فضل سے دنیا بھر کی نعمتیں حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر زندگی ہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ محض زندگی کا ہونا ہی انسان کے لئے کافی نہیں۔ موجودہ زندگی انسان کو ترسا ترسا کر ایک ایک سانس کر کے دی جاتی ہے۔ اور ہر سانس پر دم رک جانے اور زندگی ختم ہو جانے کا احتمال اور امکان ہوتا ہے۔ مگر باوجود اس کے انسان ہمیشہ کی زندگی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ یعنی (۱) انسان اس سانسوں کی ذرا سی زندگی میں خوش نہیں۔ گرمیوں میں سردی کی اور سردیوں میں گرمی

کی دعائیں کرتا ہے۔ میدان سے بھاگتا ہے تو پہاڑ پر جا ڈیرا جماتا ہے۔ مگر جلد اُکتا کر لوٹ آتا ہے۔ غرضیکہ انسان کسی مقام پر اور کسی حالت میں خوش نہیں۔ وُہ کسی دائمی بہار کا خواہشمند ہے (۲) گرم طبقوں کے پرندے اور جاندار سرد برفانی علاقوں میں زندہ نہیں رہ سکتے اور نہ سرد علاقوں کے جاندار گرم طبقوں میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ مگر انسان ہر جگہ گذارہ کر لیتا ہے۔ اور جائز ہو جاتا ہے۔ اگر موسم بدلتے نہ رہیں تو انسان زندگی سے بیزار اور بے قرار ہو جائے۔ انسان اِن موجودہ حالات کے لئے نہیں بنا۔ پس اس کے خالق نے بے وجہ ہمیشہ کی زندگی اس کو پیش نہیں کی۔ یہاں تک کہ خُدا نے موجودہ حالات بھی بدل دینے کا وعدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ دیکھ میں سب کچھ نیا بنا دیتا ہوں (مکاشفہ ۲۱: ۵) اور یوُحنا نے ایمان کی آنکھ سے دیکھا اور بتایا کہ "میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا۔ پہلا آسمان اور پہلی زمین جاتی رہی اور سمندر بھی نہ رہا" (مکاشفہ ۲۱: ۱)

مکاشفہ ۲۱: ۹ سے ۲۲: ۵ میں نئے یروشلم کا نقشہ ہے جسے سورج کی ضرورت نہیں۔ اور کوئی ناپاک چیز یا کوئی شخص جو گھنونے کام کرتا یا جھوٹی باتیں گھڑتا ہے اُس میں ہرگز داخل

نہ ہوگا۔ مگر وہی جن کے نام برّے کی کتاب حیات میں لکھے ہیں۔
۲۲: ۵ میں بتایا گیا ہے کہ وہ ابدالآباد بادشاہی کرینگے۔ یعنی انسان کا اختیار جو کھویا گیا ہے پھر مِل جائیگا اور وہ قدرت کی طاقتوں پر اپنا اختیار اور اقتدار بادشاہ کی طرح استعمال کرے گا۔

عارف نے راز کی بات (Mystery) کہی ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے اور عقل اس کو تسلیم کرتی ہے۔ جس طرح عقلی مثالوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ایسا راز ہے جو کھل کر بھی راز ہی بنا رہتا ہے۔ سورج ایک کھلا ہوا راز ہے۔ مگر باوجود کھلنے کے راز ہی ہے۔ کون بتا سکتا ہے کہ اس کی گرمی اور روشنی کا راز کیا ہے وغیرہ۔ اسی طرح ہمیشہ کی زندگی کا راز مسیح میں کھل کر بھی راز ہی ہے۔ مسیح کے مر کر جی اُٹھنے سے یہ راز کھل گیا۔ مگر کون اس کی عقلی تشریح کر سکتا ہے۔

ع۔ جی کے مرنے میں کیا ہے راز کی بات مر کے جینا ہے امتیاز کی بات
زبان نے چاہا۔ کہے کوئی بات۔ دل نے کہا یہ ہے راز کی بات

۵: ۱۳ میں نے تم کو جو خدا کے بیٹے کے نام پر ایمان لائے ہو یہ باتیں اس لئے لکھی ہیں کہ تمہیں معلوم ہو کہ ہمیشہ کی زندگی رکھتے ہو۔
اس آیت میں رسُول نے خط کا مقصد بیان کیا ہے۔ ایک اور راز کی بات کہی ہے کہ سب جنہوں نے اپنی زندگی مسیح یسوع

کے سپرد کر دی ہے اور مسیح کو اپنی مرضی اور زندگی کا حاکم تسلیم کر لیا ہے۔ سب کو ہمیشہ کی زندگی مل گئی ہے۔ یعنی روح بیعانہ میں مل گیا ہے اور روح کی مہر لگ گئی ہے۔ (افسیوں ۱:۱۳،۱۴)

افسیوں ۲:۱۔ اس نے تمہیں بھی زندہ کیا جب اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب مردہ تھے۔

افسیوں ۲:۵۔ جب قصوروں کے سبب مردہ ہی تھے تو ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ کیا۔

مسیح خداوند نے انسان کو خوب سمجھا ہے۔ انسان کی اصل ضرورت زندگی ہے۔ خدا کا کلام بتاتا ہے کہ آدم اور حوا نے وہ چیز کھائی تھی جس کی بابت خدا نے کہا تھا کہ کھاؤ گے تو مر جاؤ گے۔ اس وقت سے مردہ والدین سے مردہ اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ مردہ انسان کو اخلاق اور تہذیب کے اصولوں کی نہیں زندگی کی ضرورت ہے اور وہ ضرورت مسیح یسوع میں پوری ہوتی ہے۔

۵:۱۴-۱۷۔ دعا کی تاثیر:۔ (۳:۲۱ دیکھئے)

خدا پہ ایمان رکھنے کے معنے ہیں خدا سے ایسی رفاقت کہ اسکی صحبت کے اثر سے ایماندار خدا کی مانند بن جائے۔ خدا کیسا ہے۔ خدا اپنے بیٹے یسوع مسیح جیسا ہے۔ پس خدا پہ ایمان رکھنا مسیح یسوع کی سیرت اور صورت پانا

ہے۔ مسیح کی صورت پر ڈھلنے کے معنے ہیں مسیح کی مرضی سے مرضی ملانا۔ یہ بھید کی بات ہے۔ مگر حقیقت ہے۔ اور جب ایمان دار کو مسیح کی سیرت اور مسیح کی مرضی مل جاتی ہے تو سوال کی ضرورت نہیں رہتی۔ مرضی ایک ہونے کے باعث وہ ہماری احتیاج جان جاتا ہے اور مہیا کرتا ہے۔ سوال دو قسم کا ہے (۱) اپنے لئے (۲) دوسرے کے لئے۔ اپنے لئے دُعا کرنے کی مثال اور نمونہ خداوند کی دُعا میں دیا گیا ہے۔ دوسرے کے لئے دُعا کرنے کا اصول یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ گنہگار کی بخشش کے لئے دُعا کی جائے۔ مگر کافر بے ایمان خُدا اور روح کے منکر کے لئے دعا کی ضرورت نہیں۔

اہلِ معرفت Gnostics گناہ کو ہلکا سمجھتے تھے اور اس کی بدی اور کراہیت کے قائل نہ تھے۔ اسی لئے وہ توبہ کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ جو پاپی پشچاتاپ کے لئے تیار نہیں اس کے لئے کوئی اُمید نہیں۔ اس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ جو توبہ کا عقیدہ نہیں رکھتا اور معافی کا قائل نہیں۔ اس کے حق میں دُعا بے اثر رہے گی۔ خدا فطرت میں آسانی سے معجزہ کر سکتا ہے۔ مگر انسان کی زندگی میں تبدیلی اور نئی پیدائش کا کام کرنے کے واسطے انسان کی نیت اور طبیعت کی تیاری لازمی ہے۔ انسان

فاعل مختار ہے۔ خدا اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرتا۔ اس کی آزادی کی قدر کرتا ہے اور سوچنے بچارنے اور فیصلہ کرنے کا موقع اور مہلت دیتا ہے۔ روحانیت کا سب سے اعلیٰ عمل دعا ہے۔ دعا اور توبہ کا نتیجہ شفا اور ہمیشہ کی زندگی یعنی گناہوں کی بخشش بھی ہوتا ہے۔

یعقوب ۵: ۱۶۔ تم ایک دوسرے سے اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کرو۔ اور ایک دوسرے کے لئے دعا مانگو۔ تاکہ شفا پاؤ۔ راستباز کی دعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

۵: ۱۸ - ۲۱ مسیحی کا کامل یقین اور کامل علم:۔

ہم جانتے ہیں (۱) ہمارے دماغ کو اور ہماری روح کو رویا مل گئی ہے (۲) ہم کو ذاتی تجربہ ہو گیا ہے۔ اہلِ معرفت (Gnostics) دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خدا کو جانتے ہیں۔ اور خدائی باتوں کا پورا گیان رکھتے ہیں۔ اس دعویٰ کے مقابلہ میں رسول نے خدا کو جاننے کے اصول اور خدا کے گیان کی پڑتال کے قاعدے پیش کر کے اُن حضرات کے دعوے جھوٹے ثابت کر دئے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں ایماندار کو برہم گیانی ثابت کیا ہے۔

۳: ۲ - ہم اتنا جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہو گا تو ہم بھی اس کی مانند ہوں گے۔

۳:۱۴۔ ہم جانتے ہیں۔کہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گئے ہیں۔

۵:۱۸۔ ہم جانتے ہیں۔کہ جو خدا سے پیدا ہُوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا۔

۵:۱۹۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم خدا سے ہیں۔

۵:۲۰۔ ہم جانتے ہیں۔کہ خدا کا بیٹا آگیا ہے اور اس نے ہم کو سمجھ بخشی ہے تاکہ اس کو جو حقیقی ہے جانیں۔

۵:۱۸۔ ہم جانتے ہیں۔کہ جو انسان خدا سے پیدا ہُوا ہے۔اس کی حفاظت یسوع مسیح کرتا ہے۔جو خدا کا پیارا بیٹا ہے یعنی پلوٹھا بیٹا لیپالک بیٹوں کی حفاظت کرتا ہے۔ بیٹے کی صحیح اور کامل نشوونما یہ ہے کہ وہ باپ کی مانند بنے۔ جیسا کہ ا کرنتھی ۴:۱۶۔میں پولس رسول کہتا ہے کہ انجیل کے وسیلے مَیں ہی تمہارا باپ بنا۔پس میری مانند بنو۔

۵:۱۹۔اور وہ شریر اسے (لیپالک کو) چھونے نہیں پاتا۔

انجیل ۱۷:۱۱۔اے قدوس باپ! اپنے اس نام کے وسیلہ سے جو تو نے مجھے بخشا ہے ان کی حفاظت کر۔

۱۷:۱۲ مَیں نے تیرے اس نام کے وسیلہ سے جو تُو نے مجھے بخشا ہے۔ان کی حفاظت کی۔

۱۷:۱۵۔اس شریر سے ان کی حفاظت کر۔

۵: ۱۹۔ ساری دنیا اس شریر کے قبضے میں ہے۔

یہاں رسول نے پھر ایک دوعملی پیش کی ہے۔ انسان یا تو خدا کے قبضے اور اختیار میں ہیں یا شیطان کے۔ یہ قبضہ اور اختیار انسان اپنی آزاد مرضی سے چنتے ہیں۔ آدم اور حوا نے اپنی آزاد مرضی سے خدا کا قبضہ اور اختیار جھٹک دیا تھا۔ اور شیطان کی اطاعت منظور اور قبول کر لی تھی۔ یہ دوعملی کا مسئلہ یوحنا رسول نے ہی پیش کیا ہے۔ اور خوب پیش کیا ہے۔

انجیل یوحنا ۱۶: ۱۱۔ دنیا کا سردار (شیطان) مجرم ٹھیرایا گیا ہے۔

۵: ۲۰۔ خدا کا بیٹا آگیا ہے۔ اور اس نے ہمیں سمجھ بخشی ہے۔

یسوع کو زندگی کا نور اور دنیا کا نور کہا ہے۔ وہ نشیب و فراز میں خطرے اور آرام میں نفع اور نقصان میں۔ اور حقیقی اور نقلی و جعلی میں امتیاز سکھاتا ہے۔ ہر قسم کا صحیح امتیاز مسیح سے ہے۔ وہ ہر ایماندار کو امتیاز کا روح بخشتا ہے۔ (افسیوں ۱: ۱۷) اسی سے حق کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بغیر خدا کا کامل علم ناممکن ہے۔ وہ ہی خدا کا کامل اور آخری مکاشفہ ہے۔ مسیح سے باہر اور مسیح کے بغیر خدا کا کامل اور حقیقی علم نہیں۔ ہم نے خدا کی ذات اور صفات کا کمال اسی میں دیکھا ہے۔ خدا نے انسان کو اپنا گیان (۱) فطرت میں (۲) ضمیر میں اور (۳) الہام میں دیا ہے۔ مگر انسان اپنی باطنی کمزوری کے باعث ان کو صحیح طور پر سمجھ نہیں

سکتا۔ صرف یسوع مسیح میں خدا کا کامل اور بے نقص تصوّر اور علم حاصل ہوتا ہے۔ شریعت میں حالات اور معاملات کے مقابلے سے علم دیا گیا ہے۔

(علم الاشیاء یا ضدادہا) مثلاً پولس رسول نے کہا ہے کہ اگر شریعت یہ نہ کہتی کہ چوری نہ کر تو میں چوری کے گناہ کو نہ جانتا۔ اسی طرح روشنی اندھیرے کے مقابلہ سے اور سچائی جھوٹ کے مقابلہ سے جانی جاتی ہے۔ مگر مسیح آسمانی اور روحانی حقیقتوں کے مُنہ پر سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ جس سے ہم حقیقتوں کو رُو در رُو دیکھتے ہیں۔ اور ان کا یقینی علم حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ یسوع مسیح سے اور اُس میں ہم کو یہ گیان یہ حاصل ہوا ہے۔ کہ (۱) ہم اس میں جو حقیقی ہے۔ یعنی اُس کے بیٹے میں ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ (۲) حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے۔

(۱) ہم یسوع مسیح میں ہیں:۔

اعمال ۱۷: ۲۸۔ ہم اسی میں جیتے اور چلتے پھرتے موجود ہیں۔ یعنی ہماری زندگی اور حرکت کی وجہ وہ ہے۔ یہ مسئلہ بہت گہرا ہے اور بے حد ضروری ہے۔ ویدانت وحدۃ الوجود کا قائل ہے۔ اور کہتا ہے۔ ایکم ایو دوتیم ناستی یعنی جو کچھ موجود ہے برہم ہے۔ (لاموجود اِلّا ہُو) میں بھی برہم ہوں (برہم اسمی) ایک ایک شئے برہم ہے (تت توم آسی)

اوتار کے مسئلہ میں کسی عام انسان میں کوئی معمولی سی صفت یا بات دیکھ کر اس کو خدائی کا درجہ دے دیا ہے۔ اور اس میں خدا کا کوئی جزمان لیا گیا ہے۔ مگر ایمان دار اور یسوع مسیح کی رفاقت میں ایمان دار اور یسوع مسیح کی شخصیت الگ الگ رہتی ہے۔ گھل مل کر ایک شخصیت نہیں بن جاتی۔ اور اس رفاقت میں کامل خدا کا کامل انسان کے ساتھ ملاپ ہوتا ہے۔ یہ رفاقت اپنی مثال آپ ہے اور بے مثل ہے۔ پولوس نے اس رفاقت کے راز کا تجربہ کیا اور کہا کہ مسیح مجھ میں زندہ ہے۔ اور افسیوں ۴ : ۷ میں کہا ہے۔ کہ سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے۔ جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے۔

(۲) حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے :۔

زبور ۱۹ : ۱۔ احمق کہتا ہے کہ خدا ہے ہی نہیں۔

اکرنتی ۸ : ۴۔ بت دنیا میں کوئی چیز نہیں۔

اکرنتی ۸ : ۵ "خدا اور بہتیرے خداوند ہیں" مگر حقیقی خدا وہ ہے جو یسوع مسیح میں ظاہر ہوا۔ اور ہمیشہ کی زندگی بھی وہی ہے۔ یعنی وہ محض زندگی کا چشمہ اور زندگی دینے والا ہی نہیں بلکہ خود ہمیشہ کی زندگی ہے۔ مردوں میں سے خود بخود زندہ ہو جانا اور مردوں کو زندہ کرنا اس کی دلیل ہے۔

۲۱:۵۔ اے بچو اپنے آپ کو بتوں سے بچائے رکھو۔

یہ خط افسس شہر سے لکھا گیا تھا۔ جہاں شراب کا دیوتا بیکس اِشٹلے دیوتا تھا۔ اور اس کے علاوہ بیسیوں اور دیوتا اور دیوتاؤں کے بُت تھے۔ ہر روز کسی نہ کسی بُت کی مہورت ہوتی تھی۔ یوں افسس کے لوگ بُت پرستی میں پیدا ہوتے اور بُت پرستی اور اس کی مکروہ رسموں میں پلتے تھے۔ ایمان داروں کے لئے قدم قدم پر آزمائش اور کشش تھی۔ اسی لئے پولس رسول نے افسی جماعت کو ہدایت کی تھی۔ کہ شراب میں متوالے نہ بنو۔ بلکہ روح سے معمور ہوتے جاؤ۔ اور مزامیر اور گیت اور روحانی غزلیں گایا کرو۔ (افسیوں ۵: ۱۸-۱۹)

بیکس کے تہوار پر اس کے بھگت بیساکھی اور ہولی جیسا سماں باندھ دیتے تھے۔ بدمست ہوکر گلی کوچوں میں للکارتے فحش گیت گاتے اور ناز یبا حرکتیں کرتے اور قہقہے اُڑاتے تھے۔ بُت خواہ مادی ہو خواہ ذہنی اور خیالی ہو۔ گویا ہر وہ شے اور ہر وہ خیال اچھا ہو یا بُرا جسے ہم پیار کرتے اور مسیح یسوع پر ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی پوجتے ہیں۔ بُت ہے۔ ہمارا قبلہ یعنی سجدہ گاہ یسوع مسیح ہے۔ اور ہمارے خیالات اور عبادت کا مضمون بھی یسوع مسیح ہے۔ سب باتوں میں یسوع مسیح کا درجہ اول ہے۔ (کلسیوں ۱: ۱۸)

بُت ہر صورت میں کسی حقیقت کی نقل ہوتا ہے۔ اسی لئے

رسول خط کے پڑھنے والے ایمان داروں کو تاکید کرتا ہے۔ کہ تمہارے پاس حقیقی خُدا ہے۔ وہ ہی تمہاری زندگی ہے۔ اب تم کو کسی نقلی یا جعلی خُدا کی ضرورت نہیں ؛

ع توکو خوں شیر و گل از خار دلنوش از نیش میسازی
بہ لُطفِ خویش شیریں ساز تلخ افسانہ ما را

کرسچن لٹریچر بورڈ آف دی نیشنل کرسچن کونسل کی مالی
اعانت کے ساتھ مشعل پرنٹنگ پریس کھرڑ ضلع انبالہ
میں باہتمام اے۔ ایم۔ برنباس بی۔ اے منشی فاضل پرنٹر
و پبلشر چھپی اور شائع ہوئی +

"Jalal uddin,,
"Commentary of first letter of St. John,,(urdu)